احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

ستمبر 2025ء

قرآن مجید، حدیث و سُنت کی حجیت کی سب سے بڑی دلیل

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

اتباعِ رسول ﷺ: مصطفوی معاشرے کے قیام کا مرکز و محور

جیسے میرے سرکار ﷺ ہیں، ایسا نہیں کوئی

انمول عشق اور بے مثل اطاعت

منہاج القرآن انٹرنیشنل (برطانیہ) کا سالانہ تین روزہ تربیتی کیمپ الہدایہ 2025ء

سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل عظیم ذخیرۂ علم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی گراں قدر تصانیف

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 39 / شمارہ: 9 — ۱۴۴۷ھ ربیع الاول / ربیع الثانی — ستمبر 2025ء

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: ابدال احمد میرزا

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: 42 ویں عالمی میلاد کانفرنس اور تقاریبِ رضائی	چیف ایڈیٹر	5
القرآن: قرآن مجید: حدیث و سنت کی حجیت کی دلیل	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	8
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	19
محبت و اتباعِ رسول ﷺ: مصطفوی معاشرے کے قیام کا مرکز	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	24
جیسے میرے سرکار ﷺ ہیں، ویسا نہیں کوئی	پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	34
انمول عشق اور بے مثل اطاعت	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	42
حضور غوث الاعظمؓ کا مقامِ ولایت	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	52
روشن خیالی اور اعتدال پسندی	ڈاکٹر محمد اکرم رانا	61
سوشل میڈیا کی اخلاقیات	عبدالستار منہاجین	68
الہدایہ کیمپ 2025ء	خصوصی رپورٹ	73

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ / رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمد باری تعالیٰ

الٰہی سہل میری زندگی کے امتحاں کردے
زمیں کو گل بداماں آسماں کو مہرباں کردے

یہ قطرہ ہے اسے پھیلا کے بحرِ بیکراں کردے
یہ ذرہ ہے اسے چمکا کے مہرِ ضوفشاں کردے

بھٹک پائے نہ کوئی راہرو راہِ صداقت سے
میرے حرفِ دعا کو تیرگی میں کہکشاں کردے

قدم اٹھتے نہیں اب تشنگی سے دھوپ میں یارب
رہِ منزل پہ اپنی رحمتوں کا سائباں کردے

چمن میں جو بھی آتا ہے وہ تنکے نوچ لیتا ہے
خدایا اور اونچی میری شاخِ آشیاں کردے

یہی ہے آرزو میری یہی ہے جستجو میری
میری حمد و ثنا کو تو دلوں کا ترجماں کردے

میرے ایماں کی کشتی بے خطر ساحل پہ جا پہنچے
کچھ اس انداز سے رخ پر ہوا کے بادباں کردے

جو تو چاہے تو سارے رازِ تخلیقِ دو عالم کے
عیاں کردے، نہاں کردے، نہاں کردے، عیاں کردے

تو اپنے فضل سے افسرؔ کی حمد و نعت کو مولا
عطا لطفِ زباں کردے، عطا حسنِ بیاں کردے

(افسر ماہ پوری)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

آئے حضور، نور سے ظلمت بدل گئی
گویا فضائے دہر کی صورت بدل گئی

جس ساعتِ سعید میں پیدا ہوئے رسول
گلزارِ ہست وبود کی نکہت بدل گئی

ام القریٰ میں برسا ہے بارانِ نور کیا
فاراں کی وادیوں کی ہے قسمت بدل گئی

آلِ قریش کا ہوا رتبہ بہت بلند
ہاشم کے خاندان کی عظمت بدل گئی

قربان آمنہ تیرے بختِ رسا پہ میں
آغوش کی ہے تیری نفاست بدل گئی

بستی میں تیری آئے حلیمہ! جو مصطفیٰ
رحمت سے ان کی، بستی کی زحمت بدل گئی

ان کی نظر سے بطحاء ویثرب بدل گئے
برکت سے، دہر کی ہے نحوست بدل گئی

تقدیر شرق و غرب ہے بدلی حضور نے
انساں کی ان کے دم سے ، رفعت بدل گئی

جس دن سے ہوں میں خدمتِ دینِ رسول میں
تب سے میرے وجود کی قیمت بدل گئی

دیکھا دیارِ خلدِ مدینہ جب آنکھ سے
تب سے ''علی'' خیال کی جنت بدل گئی

﴿ڈاکٹر علی اکبر الازہری﴾

اداریہ

سیرتِ طیبہ ﷺ کے تقاضے

42ویں عالمی میلاد کانفرنس اور تقاریبِ رونمائی

یوں تو سارا سال حضور نبی اکرم ﷺ کے تذکار جمیل کی محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں لیکن جونہی ماہِ ربیع الاول کی آمد ہوتی ہے مسرتوں اور خوشیوں کا ایک سیلِ رواں شہر شہر، قریہ قریہ اُمڈ آتا ہے اور اہلِ ایمان وارفتگی کے عالم میں محافل میلاد اور جلسہ و جلوس کی صورت میں اپنے محبوب نبی ﷺ سے اپنی قلبی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تھمتا نہیں بلکہ ایک دیدنی جوش و خروش کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اس موقع پر گھر گھر چراغاں کیا جاتا ہے، مجالس و محافل میلاد کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ میلاد النبی ﷺ کی خوشی اور احترام میں بپا کی جانے والی محافل میں عشق رسول ﷺ کے ترانے الاپے جاتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے اور نعت گو شعراء، نعت خواں، خطباء حضرات تقریر و بیان کے ذریعے رحمتِ دو عالم ﷺ کے حضور اپنے گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔ الغرض ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق نظم و نثر کے پیرائے میں تخلیق وولادت اور عظمت و شانِ مصطفی ﷺ میں رطب اللسان ہوتے ہیں۔

مسرت و انبساط کی ان گھڑیوں میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام 42ویں عالمی میلاد کانفرنس ایوان اقبال لاہور میں ہو رہی ہے۔ شیخ الاسلام نے اعلان فرمایا ہے کہ عالمی میلاد کانفرنس کے اخراجات سے سیلاب متاثرین کی مدد کی جائے اور عالمی میلاد کانفرنس ایوان اقبال لاہور میں کر لی جائے۔ منہاج القرآن کی عالمی میلاد کانفرنس میں ہر سال عشاقانِ مصطفی ﷺ ذوق و شوق کے ساتھ جوق در جوق شرکت کرتے ہیں۔ منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے منعقد ہونے والی اس عالمی میلاد کانفرنس کا ایک طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس کانفرنس میں 11 اور 12 ربیع الاول کی شب تمام مکاتبِ فکر کے جید علماء و سیاسی، سماجی شخصیات ہر قسم کی ذاتی و جماعتی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر حضور نبی اکرم

ﷺ کی محبت میں شریک ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف مذاہب کے نمائندے بھی امنِ عالم کے پیامبر اور رحمتِ عالم ﷺ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ امسال لبنان اور کینیڈا سے معتبر علمی شخصیات اس کانفرنس میں شریک ہوں گی۔ ربیع الاول کی آمد کے ساتھ ہی عالمی میلاد کانفرنس کی تیاریوں کا آغاز کر دیا جاتا ہے اور منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ میں مسلسل 11 روز ضیافت میلاد کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر سال کی طرح امسال بھی امام الامہ، حجۃ المحدثین شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ ایمان افروز خطاب فرمائیں گے۔

منہاج القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ 42 ویں عالمی میلاد کانفرنس 1500 ویں جشنِ ولادت کے سلسلے میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس کانفرنس میں پاکستان سمیت یورپ، امریکہ، برطانیہ، مشرق وسطیٰ سے بھی وفود شرکت کریں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا اُمت کے نام پیغام ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حقیقی عقیدت و محبت اور مودّت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو اپنے شب و روز، اُمور و معاملات کا حصہ بنایا جائے اور اُمت محمدیہ ﷺ کا ہر فرد اپنے قول و فعل میں مصطفوی سیرت کا آئینہ دار بن جائے۔ شیخ الاسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ آپ ﷺ آسانیاں پیدا فرمانے والے تھے، دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے، دوسروں کے آرام و سکون کا خیال رکھتے، کمزور کی دستگیری اور اعانت فرماتے۔ آپ ﷺ انتہا پسندانہ طرزِ عمل سے گریز فرماتے، برائی کا جواب ہمیشہ اچھائی سے دیتے، آپ ﷺ کے شب و روز کا بیشتر حصہ امن اور محبت کی تعلیم دیتے بسر ہوتا۔ آپ ﷺ صلح و مفاہمت کے علمبردار ہیں، رواداری، محبت و اخوت، رحمت و شفقت، عفو و درگزر، صبر و استقامت، احترام و تکریم، نرم دلی، نرم خوئی، نرم جوئی، شرافت، سخاوت، خیر خواہی، حلم و بردباری آپ ﷺ کی پاک سیرت کے نمایاں اوصاف ہیں۔ آپ ﷺ انسانوں میں سب سے زیادہ سخی، مہمان نواز اور صبر و استقامت کا کامل نمونہ ہیں۔

آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا ٹائٹل کسی اُمتی نے نہیں بلکہ اللہ رب العالمین نے عطاء فرمایا ہے۔ سورہ الانبیاء میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ”اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔“ اِس آیت مبارکہ کی روشنی میں یہ اعلان اظہر من الشمس ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت ایک ایسی آفاقی نعمت ہے جو تمام انسانیت کو قطع نظر اُن کے مذہب، نسل اور جنس کے اپنے حصارِ عاطفت اور آغوشِ رافت و رحمت میں لئے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ امنِ عالم کے پیامبر ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ صفت آپ ﷺ کو تمام انبیاء پر ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے 10 سال کے قلیل عرصہ میں عرب کے متحارب قبائل کو ایک علم کے نیچے جمع کر دیا۔ اس سے قبل عرب

میں وحدت و یگانگت کا ایسا کارنامہ سرانجام نہیں دیا جا سکا تھا۔ آپ ﷺ نے امن کی فضیلت و اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا: ’’مسلمان وہ ہے جو اپنے قول و فعل سے دوسروں کو امن و سلامتی مہیا کرے‘‘۔ ایک اور مقام پر فرمایا: ’’سچا مومن وہ ہے جس پر لوگ اپنی زندگیوں اور جائیدادوں کے حوالے سے اعتماد کریں‘‘۔ حضور نبی اکرم ﷺ کرۂ ارضی کی واحد صادق و امین ہستی ہیں، آپ ﷺ کی صداقت و امانت کے معترف آپ کے بدترین بھی تھے۔ قبولِ اسلام سے قبل مسلم مہاجرین کی حوالگی کے لئے ابوسفیان ہرقل روم کے دربار میں پیش ہوئے۔ ہرقل نے سوال کیا: کیا تم نے دعویٰ نبوت سے قبل آپ (ﷺ) پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا؟، ابوسفیان نے جواب دیا: ’’نہیں‘‘۔ پھر ہرقل نے سوال کیا: ’’کیا آپ (ﷺ) نے کبھی وعدہ خلافی کی؟‘‘ ابوسفیان نے جواب دیا: ’’نہیں۔‘‘ جس پر ہرقل نے کہا: ’’اگر آپ (ﷺ) لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے تو یقیناً وہ اللہ کے بارے میں بھی جھوٹ نہیں بولیں گے۔ یہ انبیاء کا طرزِ عمل ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو دھوکہ نہیں دیتے‘‘۔

حجۃ المحدثین شیخ الاسلام کی 5 کُتب کی تقریب رونمائی

امام الامہ حجۃ المحدثین شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں ادارہ منہاج القرآن 4 دہائیوں سے زائد عرصہ سے تجدید و احیائے دین کے لئے قومی و بین الاقوامی سطح پر فکری و اعتقادی اور علمی و تحقیقی خدمات انجام دے رہا ہے۔ الحمدللہ اس ضمن میں شیخ الاسلام کے قلم سے 650 سے زائد کُتب کا مستند علمی ذخیرہ اہلِ علم حضرات و آئندہ نسلوں کی علمی تشنگی بجھانے کے لئے دستیاب ہے۔ شیخ الاسلام نے حال ہی میں علوم الحدیث، علوم التفسیر، سیرت النبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اَخلاقِ کریمانہ کے موضوعات پر اُردو، عربی اور انگریزوں زبانوں میں 5 ضخیم کُتب تصنیف فرمائی ہیں جن کی تقریبِ رونمائی 8 ستمبر 2025ء کے روز ایوانِ اقبال لاہور اور 10 ستمبر 2025ء بروز بدھ پاک چائنہ فرینڈ شپ سنٹر اسلام آباد میں منعقد ہو رہی ہے۔ ان عظیم الشان تقاریبِ رونمائی میں پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالدائم علی (سیکرٹری جنرل آف دی اسلامک ریسرچ اکیڈمی و ڈین آف دی فیکلٹی آف اسلامک دعوۃ الازہر یونیورسٹی)، پروفیسر ڈاکٹر محمود حامد محمد عثمان (ڈین آف دی فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء الازہر یونیورسٹی) خصوصی شرکت و خطاب فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ ملک عزیز کے نامور اہلِ علم حضرات و محققین ان تقاریبِ رونمائی میں شرکت و اظہارِ خیال کریں گے۔ امام الامہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ بھی ویڈیو لنک پر ان تقاریب میں شرکت فرمائیں گے۔

(چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

(چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

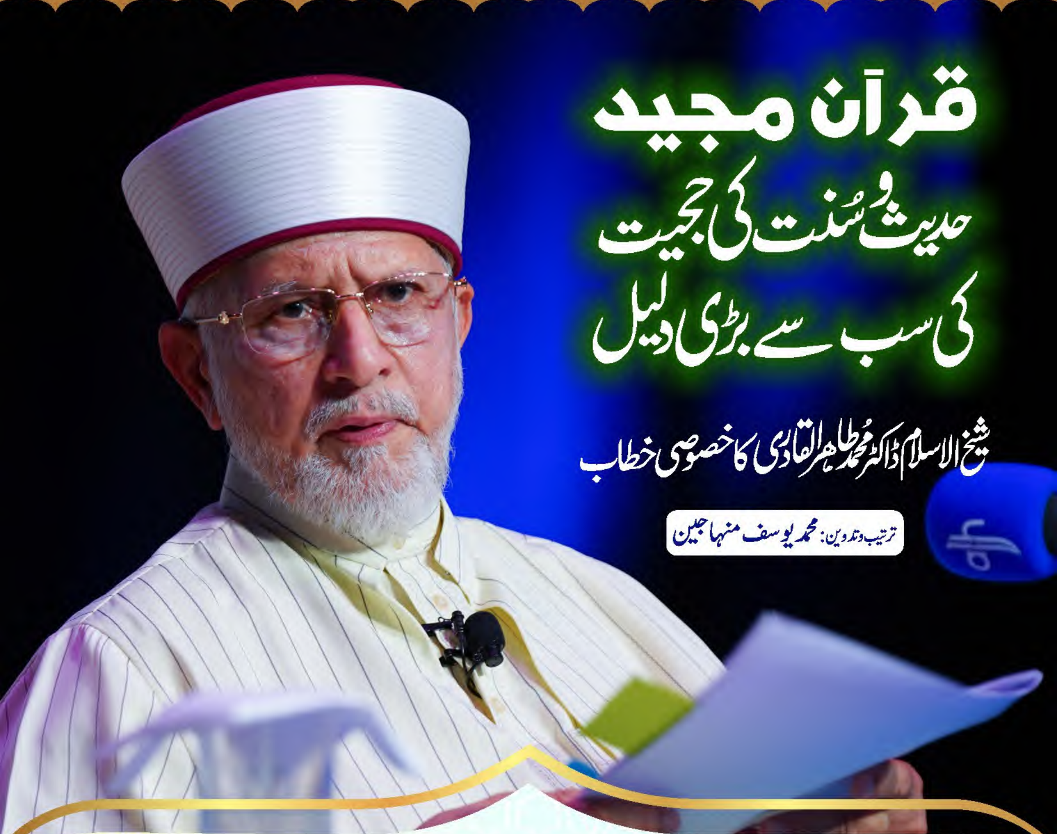

قرآن مجید
حدیث و سُنت کی حجیت کی سب سے بڑی دلیل

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت کی توفیق سے قران و سنت کی روشنی میں عقائدِ صحیحہ کے انتہائی اہم موضوع ''حجیتِ حدیث و سنت'' پر اپریل 2024ء سے شروع کی گئی اس سلسلہ وار تحریر کا یہ آخری حصہ ہے۔ اس سلسلہ وار تحریر میں ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس بات پر غور و فکر کیا کہ کیا یہ عقیدہ اور تصور درست ہے کہ ''ہمارے لیے صرف قرآن ہی حجت ہے، فقط قرآن کافی ہے، ہم صرف اسے اتھارٹی مانیں اور حضور ﷺ کی حدیث اور سنت مبارکہ کو احکامِ دین و شریعت کے باب میں حجت اور اتھارٹی نہ مانیں بلکہ اسے (معاذ اللہ) محض ایک صوابدیدی رہنمائی کا درجہ دیں، اسے صرف اُس زمانے کے حالات کے مطابق دی گئی ہدایات سمجھیں، اس میں سے ہم جو کچھ چاہیں اپنے فائدے اور رہنمائی کے لیے اخذ کر لیں اور جسے (معاذ اللہ) ہم مناسب نہ سمجھیں، اسے چھوڑ دیں اور حتمی اتھارٹی (binding authority) صرف قرآن کو سمجھیں''۔

یہ ایک باطل تصور ہے اور سراسر گمراہی ہے۔ اس کی حیثیت دینی اعتبار سے کفر اور الحاد کی ہے۔ انسان ایسا عقیدہ رکھ کر قرآن مجید سے باغی اور بالآخر اس کا منکر ہو جاتا ہے۔ پورے قرآن مجید میں اس

تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ قرآن مجید کی نسبت ایک ایسی بات کا دعویٰ کرنا ہے جو خود قرآن مجید بھی نہیں کہہ رہا۔ قرآن مجید نے سیکڑوں مقامات پر اس تصور و عقیدہ کی نفی کی ہے، اس کو رد کیا ہے اور اس کے برعکس یہ تصور و عقیدہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید اور سنت دونوں حجت ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی حجت ہے اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان بھی حجت ہے۔ اطاعتِ الٰہی اور اطاعت رسول دونوں دائمی و مستقل طور پر علی الاطلاق بغیر استثنیٰ کے حجت اور واجب ہیں۔ اس میں ہماری صوابدید (discretion) کا کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن مجید نے دوٹوک انداز میں واضح کیا کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (الاحزاب، ۳۳: ۳۶)

’’اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لیے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے فیصلہ کو ایک ہی فیصلہ قرار دیا ہے۔ یعنی مومن مرد یا عورت کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم اور فیصلہ آ جائے تو اس میں اپنا اختیار استعمال کریں کہ ہم اسے مانیں یا نہ مانیں۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو مطلقاً حتمی اتھارٹی قرار دیا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہم نے اس موضوع کو اس سلسلۂ تحریر کے سابقہ تمام حصوں میں قرآن مجید ہی کے دلائل سے واضح کیا ہے۔ اس موضوع پر پورا مؤقف اور اس کی تمام تشریح و تعبیر کی بنیاد حدیث نبوی پر نہیں بلکہ قرآنی دلائل پر قائم کی گئی ہے۔ مذکورہ دلائل کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ ’’حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری سنت واجب ہے، میرا ہر حکم واجب ہے، میرے حکم کی اطاعت قیامت تک واجب ہے۔‘‘ بلاشبہ ایسی سیکڑوں احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ نے خود اپنی زبان سے اپنی حدیث و سنت کے واجب ہونے کو بیان فرمایا مگر ہم نے دلائل کا مدار احادیث نبوی پر نہیں رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے کچھ لوگ حدیثِ نبوی کی حجیت کا انکار کر رہے ہیں اور اس تحریر کا مقصود اسی انکار کو رد کرنا، اسی غلط فہمی کو دور کرنا اور اسی تصور میں واضحیت (clarity) دینا ہے۔

حدیث و سنت کی حجیت و وجوب پر واضحیت کے لیے صرف قرآن مجید سے دلائل اس لیے دیے کہ حدیث و سنت کی حجیت کے منکرین جو قرآن مجید کے علاوہ کسی اور شے کو حجت نہیں مانتے، وہ دیکھ لیں کہ اس باب میں قرآن مجید کیا کہہ رہا ہے۔ ان تمام قرآنی دلائل سے حدیث و سنت کی حجیت و وجوب روزِ

روشن کی طرح عیاں ہے۔ ایسے لوگ جو حدیث و سنت کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، حقیقت میں وہ قرآن مجید کو بھی نہیں مانتے، اس لیے کہ اگر وہ قرآن مجید کو مانتے تو قرآن مجید کے فرامین کے مطابق وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث و سنت کو بھی حجت و واجب مانتے۔

آیئے! حجیتِ حدیث و سنت پر قرآن مجید کی ایک اور دلیل کا مطالعہ کرتے ہیں:

کلامِ مصطفی ﷺ وحیِ خدا ہے

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى۔ (النجم، ۵۳: ۳-۴)

"اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔"

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے کلام کے بارے میں واضح فرمادیا کہ وہ کوئی بات اور کوئی لفظ اپنے منہ سے ایسا نہیں نکالتے جو ان کی اپنی ذاتی خواہش (personal wish & Choice) سے نکلا ہو۔ وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ وہ جب کلام بھی فرماتے ہیں تو ان کا کلام وحی ہوتا ہے، جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ ان آیات مبارکہ سے واضح ہورہا ہے کہ آقا علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے ادا ہونے والا ہر لفظ، ہر قول اور ہر فرمان حجت ہے، اسے اپنی فرضیت، حجیت، مشروعیت اور شرعی حکم ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید سے الگ نہیں کر سکتے۔

آیت مبارکہ میں وَمَا يَنۡطِقُ کا لفظ عام ہے اور یہ ہر اُس لفظ، کلمہ، جملہ اور قول کو شامل ہے جو آقا علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا ہے۔ لغت کی رو سے ہر وہ لفظ جو کسی شخص کے منہ سے نکلتا ہے، اسے نُطق کہتے ہیں۔ اُسی سے منطق ہے اور اسی سے نُطُوق ہے، جس کا معنی تَكَلُّمْ یعنی کلام کرنا ہے۔ ایسا کلام جس میں آواز، حروف اور الفاظ ہوں تو وہ نطق ہے۔ اس معنی کی رو سے معلوم ہوا کہ آقا علیہ السلام کا سارا کلام اور ہر کلمہ جس کی آواز ہے، جس میں حروف اور الفاظ ہیں، وہ خواہشِ نفسانی کی بنیاد پر آپ ﷺ سے صادر نہیں ہوتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں۔ القاموس میں نطق کے حوالے سے درج ہے:

أَلأَصواتُ الْمُقَطَّعة اَلَّتِي يُظْهِرُهَا اللِّسَانُ وطعيها الآذان

وہ الگ الگ آوزیں جنھیں زبان ادا کرے اور کان سمجھیں۔

جب ہم زبان سے بول رہے ہیں تو ہر لفظ دوسرے لفظ سے الگ الگ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی تَقْطِیْع ہے، الفاظ مُقَطِّعَة ہیں، ہر لفظ اور حرف سمجھ آرہا ہے اور ان سے جو جملہ بن رہا ہے، وہ جملہ بھی سمجھ آرہا ہے۔ معلوم ہوا کہ زبان سے ادا ہونے والا ہر بامعنی لفظ اور جملہ نطق میں آتا ہے، جسے کان سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اس لغوی معنی کی رو سے معلوم ہوا کہ آقا علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہونے والا ہر قول اور فرمان وَمَا يَنْطِقُ میں آتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

اس آیت کریمہ میں اِنْ هُوَ (بلکہ وہ) کے الفاظ میں هُوَ سے مراد ''وہ'' کلمہ اور قول ہے جو حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلا اور جسے حضور علیہ السلام نے بیان فرمایا۔ هُوَ ضمیر کا مرجع آقا علیہ السلام کا نُطق، کلام، گفتگو اور قول ہے، جو آپ علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے صادر ہوتا ہے۔ اس نطق، کلام اور قول کے بارے میں اللہ فرمارہا ہے کہ وہ وَحْيٌ يُّوْحٰى ہے یعنی وہ وحی ہے، جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔

وحی کی دو صورتیں: وحی جلی و خفی

ہم اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ وحی سے مراد صرف قرآنی آیات ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ وحی صرف قرآن مجید کی آیات نہیں ہیں بلکہ ہر کلمہ، لفظ، قول اور فرمان جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے نکلتا ہے، وہ بھی وحی ہے۔ وحی کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ وحی جلی (مرسل الیہ): وہ وحی جو جبرائیل امین آیاتِ قرآنی کی شکل میں اللہ کی طرف لے کر نازل ہوئے۔ اس وحی میں الفاظ اور معنی دونوں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح اسے بیان کر دیا۔ یہ ظاہراً بھی وحی ہے اور باطناً بھی وحی ہے، لفظاً بھی وحی ہے اور معناً بھی وحی ہے۔ وحی کی یہ قسم قرآن کی آیات پر مبنی ہے۔ اسے مرسل الیہ (حضور علیہ السلام کی طرف بھیجی گئی وحی) بھی کہتے ہیں۔

۲۔ وحی خفی (ملهم من اللہ): وہ کلام جو قرآن مجید کے علاوہ آقا علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے نکلا، وہ وحی خفی ہے۔ اسے جبریل امین لائے یا براہِ راست اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر الہام اور القاء کیا۔ یہ قرآن نہیں ہے مگر قرآن سے جدا بھی نہیں ہے۔ اس وحی میں حضرت جبرائیل کے ذریعے الفاظ نازل نہیں ہوتے بلکہ اللہ رب العزت براہِ راست آقا علیہ السلام کے قلب و روح میں وہ معنی، مفہوم اور تصور الہام کر دیتا ہے۔ اس وحی میں معنی اللہ کی

طرف سے آیا ہوتا ہے مگر اس معنی کو الفاظ کا جامہ حضور ﷺ اپنی طرف سے پہناتے ہیں۔ یعنی الفاظ حضور ﷺ کے ہوتے ہیں اور معانی اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ spirit، message اور concept اللہ کی طرف سے آتا ہے مگر اس کو بیان حضور ﷺ اپنے الفاظ میں کرتے ہیں۔ اس قسم کی وحی کو حدیث اور سنت کہتے ہیں، یہ وحی خفی کہلاتی ہے۔

قرآن مجید کی مذکور آیات (النجم: ۳۔۴) میں اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کی نفی کر دی اور دو چیزوں کا اثبات کر دیا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى فرما کر اس بات کی نفی کر دی کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور ﷺ کا کلام عام انسانوں جیسا کلام ہے کہ جس طرح عام انسان اپنی خواہشِ نفس سے بولتے ہیں، اپنی چاہت سے کلام کرتے ہیں اور سارے الفاظ اور ان کے معانی بھی ان کے اپنے ہوتے ہیں، حضور ﷺ کا کلام اس طرح کا نہیں ہے۔

جب عام انسان کلام اور گفتگو کرتے ہیں تو اپنی خواہش سے کرتے ہیں۔ اس میں ناراضگی بھی ہوتی ہے اور رضا مندی بھی ہوتی ہے، اچھی بات بھی کرتے ہیں اور بری بات بھی کرتے ہیں۔ یعنی ہم جو کچھ کہتے ہیں، وہ سب اپنی خواہشِ نفس کی بنیاد پر ہمارے اندر سے نکل رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول کے حوالے سے اس تصور کی نفی کر دی کہ خبردار! میرے محبوب ﷺ کو عالمِ بشریت کے کلام کرنے کے طریقہ اور پیمانے پر نہ ماپنا۔ ہر چند کہ وہ بشریتِ مقدسہ سے خالی نہیں ہیں، مگر میں نے انہیں پیکرِ بشریت اور پیکر نورانیت میں یکجا کیا ہے۔ وہ عالمِ بشیریت میں سے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُن کے بولنے کو اپنے بولنے جیسا سمجھنے لگو، ان کے کلام کو اپنے کلام کی طرح کلام سمجھنے لگو، ان کی گفتگو کی اصل (origin) ان کی خواہشِ نفس نہیں ہے بلکہ وحیِ الٰہی ہے۔ عام انسانوں کی گفتگو ان کی خواہش اور تمنا سے جنم (originate) لیتی ہے مگر رسول اللہ ﷺ کا بولنا، اس طرح نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ چاہیں، وہ کہیں بلکہ وہ جو بھی کلام فرماتے ہیں، وہ وحی ہوتا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے نبی ورسول کے حوالے سے بشری، قلبی اور نفسانی چاہت سے بولنے کی نفی کر دی کہ جس طرح تم اپنی خواہشِ نفس سے بولتے ہو، میرا رسول ایسے نہیں بولتا بلکہ اس کی شان اس سے بلند ہے۔ وہ جب بھی بولتے ہیں، کلام کرتے ہیں، خطاب کرتے ہیں تو اُن کے بولنے کی اصل (origin) جہاں سے وہ originate اور جنم لے رہا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى، وہ صرف وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ پس آقا ﷺ کی زبانِ اقدس سے صادر ہونے والے ہر کلام کو اللہ نے بطریقِ حصر وحی قرار دیا ہے۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی میں اللہ رب العزت نے واضح فرمادیا کہ جو کلمہ بھی میرے محبوب کے منہ سے نکلتا ہے، اس کے حوالے سے کسی مغالطے اور گمراہی میں نہ پڑنا، وہ کچھ اور نہیں ہے، فقط وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے۔ یہ وحی خواہ الفاظ اور معانی دونوں کی صورت میں کی جائے یا فقط معانی کی صورت میں کی جائے اور الفاظ کا جامہ حضور ﷺ خود پہنا دیں۔ اگر الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترے ہوں تو اس کو قرآن اور وحی جلی کہتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف معانی اترے ہوں اور حضور ﷺ نے اس کی وضاحت اپنے الفاظ میں کر دی تو اس کو وحی خفی کہتے ہیں اور اسی کو حدیث اور سنت کہا جاتا ہے۔

وحی جلی اور وحی خفی کے مابین تعلق

وحی جلی اور وحی خفی کے مابین تعلق کو اس مثال سے سمجھیں کہ ہر شخص جو صاحبِ علم ہے، وہ جانتا ہے کہ جس قرآن مجید کی ہم تلاوت کرتے ہیں، وہ الحمد سے شروع ہو رہا ہے اور والناس پر ختم ہو رہا ہے۔ ہر شخص اس بات سے آگاہ ہے کہ قرآن مجید کی 114 سورتیں ہیں اور یہ تمام سورتیں ایک خاص ترتیب کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جو کچھ اس قرآن مجید کی 114 سورتوں میں لکھا گیا ہے، صرف وہ حجت ہے اور جو کچھ آقا ﷺ نے فرمایا، وہ حجت نہیں، یہ بس ایک رہنمائی ہے، مان لیں یا نہ مانیں، ہماری مرضی ہے۔" ان کلماتِ کفر کے مرتکب اور گمراہی و ضلالت کے اندھیروں میں گھرے ہوئے لوگوں سے سوال ہے کہ وہ جس قرآن مجید کے حجت ہونے پر کاربند ہیں کیا یہ قرآن مجید سورتوں اور آیات کی اسی ترتیب کے ساتھ نازل ہوا تھا جس ترتیب کے ساتھ یہ چودہ سو سال سے موجود ہے؟ قرآن مجید تو اس ترتیب کے ساتھ نازل ہی نہیں ہوا۔ جب قرآن مجید کا نزول ہوا تو اس کی ترتیب کچھ اور تھی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ا۔ غار حرا میں نازل ہونے والی پہلی سورت "الفاتحہ" نہیں ہے بلکہ وہ تو سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ اب اگر صرف قرآن مجید ہی حجت ہوتا تو قرآن مجید کی کتابی ترتیب میں بھی یہ آیات پہلے ہونی چاہیے تھیں اور سورۃ الفاتحہ جس ترتیب کے ساتھ نازل ہوئی تھی، وہاں اپنی جگہ پر ہوتی۔ سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرۃ اور پھر بقیہ سورتیں ہیں، جب کہ پہلی وحی کی آیات قرآن مجید کی کتابی ترتیب کے اعتبار سے 96 ویں سورۃ (العلق) میں موجود ہیں۔

۲۔ اسی طرح جب آقا علیہ السلام کی عمر مبارک 43 سال تھی اور اعلانِ نبوت کو تین سال گزر چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغِ عام کا حکم فرمایا تو اس وقت سورۃ المدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ۔ (المدثر، ۷۴: ۱۔۴)

”اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!) اُٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیں اور اپنے رب کی بڑائی (اور عظمت) بیان فرمائیں اور اپنے (ظاہر و باطن کے) لباس (پہلے کی طرح ہمیشہ) پاک رکھیں۔“

یہ آیات تو آقا علیہ السلام کے اعلانِ نبوت اور وحی کے نزول کے تیسرے سال اُتری ہیں جب کہ ان آیات کو قرآن مجید کے 29 ویں پارہ میں رکھا گیا ہے۔ حالانکہ انھیں نزولی اعتبار سے ابتدائی آیات میں ہونا چاہیے تھا۔

۳۔ اسی طرح سورۃ المائدہ قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق پانچویں سورۃ ہے، اس سورۃ کی تیسری آیت ترتیبِ نزولی کے مطابق قرآن مجید کی آخری آیت ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا گیا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدۃ، ۵: ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔“

یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر وصالِ مبارک کے آخری سال نازل ہوئی یعنی جب قرآن مجید کو نازل ہوتے ہوئے تقریباً 23 برس گزر چکے تھے۔ جس ترتیب سے قرآن مجید نازل ہوا تھا، اگر اس ترتیب سے قرآن مجید لکھا جاتا اور مجموعہ بنایا جاتا تو یہ آیت تو 30 ویں پارہ میں آخری آیت ہونا چاہیے تھی۔ یہ آیت قرآن مجید کے شروع میں کیسے آگئی؟

قابلِ غور بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ ترتیب جو چودہ سو سال سے زائد کے عرصہ سے چلی آرہی ہے، یہ ترتیب کس نے بنائی؟ یاد رکھیں! جب قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی تھیں تو قرآن مجید میں کسی ایک آیت یا سورۃ میں بھی یہ نہیں آیا کہ فلاں آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر درج کیا جائے۔ جب قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت یا حکم نہیں ملتا جس میں آیات اور سورتوں کو اس موجودہ ترتیب کے مطابق متعلقہ جگہوں پر درج کرنے کا کہا گیا ہو تو پھر قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کو ان کی اس موجود ترتیب میں کس وجہ سے رکھا گیا ہے؟

جس ترتیب سے قرآن مجید اُترا اُس کو ترتیبِ نزولی کہتے ہیں اور جس ترتیب میں قرآن مجید آج مصحف اور کتاب کی سورت میں موجود ہے، یہ ترتیبِ کتابی ہے۔ ترتیب

نزولی اور ترتیب کتابی مختلف ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ”صرف قرآن کافی ہے“، وہ تو قرآن مجید پر بھی ایمان نہیں رکھ سکتے، اس لیے کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کہ فلاں آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر اور فلاں سورت کو فلاں سورت سے پہلے یا بعد میں درج کریں۔ قرآن مجید میں تو کہیں بھی اس مصحف کو ترتیب لگانے کی آیات موجود نہیں اور نہ ہی یہ اس کتابی ترتیب کے مطابق نازل ہوا ہے۔ اگر قرآن مجید اپنی ترتیبِ نزولی کے ساتھ ہمارے سامنے ہوتا تو یہ ترتیب بھی قرآن مجید کا حصہ ہوتی مگر ایسا نہیں ہے۔ نہ تو قرآن مجید نزولی ترتیب کے ساتھ موجود ہے اور نہ ہی قرآن مجید کی اس ترتیبِ کتابی کا قرآن مجید میں کہیں بھی کسی بھی حوالے سے ذکر ہے۔

قرآن مجید میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں جو کسی سورت کی ترتیب بتاتا ہو کہ کس سورۃ کے بعد کس سورۃ نے آنا ہے۔ اسی طرح کوئی آیت بھی قرآن مجید میں ایسی نہیں جہاں کسی آیت کی ترتیب بتائی گئی ہو کہ کس آیت نے کس سورۃ میں کس مقام پر آنا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی طویل سورتیں بھی ہیں اور مختصر بھی ہیں، ایسی سورتیں بھی ہیں جو سو، دو سو اور اڑھائی سو آیات پر مشتمل ہیں۔ لازمی بات ہے کہ یہ تمام آیات اور کوئی طویل سورت ایک بار تو نازل نہیں ہوئی۔ ایک وقت میں تو کبھی تین، کبھی پانچ، کبھی چھ، سات، آٹھ یا دس آیات نازل ہوتیں۔ مزید یہ بھی ذہن میں رہے کہ ایسا بھی نہیں تھا کہ کسی ایک سورت کی آیات مکمل ہونے کے بعد دوسری سورت کی آیات کا نزول ہوتا۔ یعنی تسلسل کے ساتھ ایک ہی سورت کی آیات نہیں

اتر رہی ہوتی تھیں کہ پہلے سورۃ البقرۃ کی آیات نازل ہوئیں، جب یہ مکمل ہوگئیں تو سورۃ آل عمران کی آیات کا نزول ہوا بلکہ موقع محل اور حالات کے مطابق آیات کا نزول ہوتا۔

ایک ہی سال میں بیک وقت کئی سورتوں کی آیات نازل ہو رہی ہوتی تھیں۔ اس لیے کہ آیات کا اترنا اس وقت کی صورتحال کو بیان کرنے کے لیے ہوتا۔ مثلاً: آپ ﷺ جہاد پر گئے ہیں اور جہاد پر جانے سے قبل جو وحی نازل ہوئی تھی، ان آیات کا موضوع، ایمان، دعوت، آخرت یا اخلاق تھا مگر جب آپ ﷺ جہاد پر چلے گئے تو اب صورتِ حال بدل گئی، اب میدان جنگ میں نازل ہونے والی آیات میں جہاد کے احکامات اور اس موقع کی مناسبت سے وحی الٰہی کا نزول ہو رہا ہے کہ اُس جنگی صورتحال میں کیا کرنا ہے۔۔۔؟ جنگ کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا کفار مکہ کی طرف سے کوئی صورتحال درپیش ہے، کوئی نیا معاملہ سامنے آیا ہے تو اب اس کے متعلق آیات کا نزول ہوتا۔۔۔ الغرض غزوات کے موقع پر اُن کی مناسبت سے آیات نازل ہوتیں۔۔۔ اسی طرح ہجرت، معراج، کفارِ مکہ کے مظالم، منافقین کی سازشیں، وفود کی آمد، یہود و نصاریٰ سے معاہدات، دعوتِ اسلام کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روانگی، کسی کافر یا منافق کی طرف سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا اور اس طرح کے متعدد مواقع اور مقامات پر مکی اور مدنی دور میں موقع محل کی مناسبت سے آیات کا نزول ہوتا رہتا۔

الغرض کسی بھی وقت کوئی معاملہ آتا، کوئی سوال اُبھرتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی معاملہ کے بارے میں پوچھتے تو انہیں رہنمائی اور ہدایت دینے کے لیے وحی نازل ہو جاتی۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ ترتیب تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان نہیں کی تو یہ ترتیب کس نے دی؟ یقیناً یہ ترتیب حضور علیہ السلام نے عطا فرمائی ہے۔ قرآن مجید کی کتابی ترتیب حدیث و سنتِ نبوی کے ذریعے ممکن ہوئی۔ قرآن مجید کی اسی ترتیبِ کتابی کو حضور علیہ السلام نے حفظ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حفظ کروایا۔ جبریل امین آقا علیہ السلام کی خدمت میں ماہِ رمضان میں تشریف لاتے اور حضور علیہ السلام پورے قرآن کی تلاوت فرماتے اور سناتے تھے۔ وصال مبارک کے آخری سال اسی ترتیب سے جس ترتیب میں آج قرآن موجود ہے، دو مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آقا علیہ السلام کے ساتھ مل کر دورۂ قرآن کیا۔ آقا علیہ السلام نے اپنی حیاتِ طیبہ میں خلفائے راشدین سمیت چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی مجلس میں، اپنی نگاہوں کے سامنے اور اپنی نگرانی میں قرآن مجید کو اسی ترتیب کے ساتھ لکھوایا تا کہ آنے والے زمانے میں کوئی قرآن مجید کی ترتیب بدل نہ سکے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے سامنے قرآن مجید کے اتنے نسخے تیار کروائے کہ ترتیبِ قرآنی میں

بھی کوئی اختلاف نہ رہے۔ یہی وجہ ہے آج چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود امتِ مسلمہ کے کسی بھی ملک، طبقہ، مکتبِ فکر اور کسی بھی زبان کے بولنے والے میں نہ صرف قرآن مجید کی ایک آیت کا بھی اختلاف نہیں بلکہ اس ترتیبِ کتابی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں ایسا قرآن مجید نہیں ملے گا جس میں آیات اور سورتوں کی ترتیب بھی مختلف ہو۔ ایک آیت تک بھی آگے پیچھے نہیں۔ یہ ترتیب آقا علیہ السلام نے امت کو اس طرح ضبط کے ساتھ عطا کر دی کہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت اس پر قائم ہوگئی۔ پس قرآن مجید کی یہ ترتیب حضور علیہ السلام نے عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باقاعدہ احکامات صادر فرماتے کہ نازل ہونے والی آیت، کس سورۃ میں کس جگہ پر اور کس آیت سے پہلے یا بعد میں درج کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف مواقع پر مختلف صورتحال کے تناظر میں نازل ہونے والی آیات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احکامات و ہدایات فرماتے کہ اسے فلاں مقام پر فلاں سورت میں درج کرو۔ پس قرآن مجید کو اس ترتیب میں لکھوانا یہ حدیثِ محمدی ہے۔ یہ حضور علیہ السلام کی سنت ہے اور یہ ترتیب وحی خفی ہے جو قرآن مجید کی شکل میں نازل تو نہیں ہوئی مگر آقا علیہ السلام کے قلبِ اطہر پر براہ راست نازل ہوئی۔ یہ الہام و القاء قرآن مجید کی طرح نہیں ہوتا تھا مگر یہ وحی کا حصہ ہوتا تھا۔

وحی جلی اور خفی کے مابین تعلق کی یہ ایک ایسی مثال ہے جسے ہر آدمی باسانی سمجھ لے گا اور اس سے صرف قرآن مجید کو حجت ماننے اور حدیث و سنت کو حجت نہ ماننے کے باطل فتنہ کی جڑ کٹ جائے گی (ان شاء اللہ)۔

اس بات کو یوں بھی سمجھیں کہ جبرائیل امین آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں تقریباً 24 ہزار مرتبہ آئے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات تو چھ ہزار سے زائد ہیں۔ آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں جبرائیل علیہ السلام خود نہیں آتے تھے بلکہ اللہ کے بھیجنے سے ہی آتے تھے اور ہر بار اللہ کا پیغام لاتے، حضور علیہ السلام سے گفتگو کرتے اور اللہ کا پیغام پہنچاتے۔ اگر قرآن مجید کی ہر ایک آیت الگ الگ بھی نازل ہوتو جبرائیل علیہ السلام کا تقریباً ساڑھے چھ ہزار بار آنا تو وحیِ قرآن لے کر آنا تھا تو بقیہ ساڑھے سترہ ہزار مرتبہ جبرائیل علیہ السلام کیا لے کر نازل ہوتے تھے؟ وہ تو قرآن مجید میں نہیں ہے۔ دراصل جبرائیل علیہ السلام کا ہزارہا مرتبہ نزول وحی خفی کے لیے ہے اور قرآن مجید کی موجود ترتیب بھی اسی وحیِ خفی کا نتیجہ ہے جو کبھی اللہ کی طرف سے جبریل امین لے کر نازل ہوئے اور کبھی آقا علیہ السلام پر براہِ راست القاء کی جاتی۔

قرآن مجید کی یہ موجودہ ترتیب ’’ترتیب توقیفی‘‘ ہے۔ حضور علیہ السلام اللہ کی اس ہدایت یعنی وحیِ خفی کے تحت قرآن مجید کی آیات کو اس ترتیب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لکھواتے تھے۔ جب آقا علیہ السلام آیات قرآنی صحابہ کو لکھواتے تو ساتھ ہی ہدایات فرماتے کہ ان آیات کو فلاں مقام پر لکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان حدیث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ’’اس سورت کو پہلے لکھو، اس کو بعد میں لکھو‘‘، یہ کلام حدیث ہے، یہ قرآن نہیں ہے۔ پس آقا علیہ السلام بتاتے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس ترتیب سے لکھتے گئے۔ اس لیے کہ ان کا ایمان تھا کہ حضور علیہ السلام خواہ کچھ بھی فرمادیں وہ حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے قرآن کا نام دیں تو وہ بھی حق ہے۔۔۔ اسے قرآن کا حصہ نہ بتائیں تب بھی وہ قرآن کی طرح حق ہے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کے فرمان سے اختلاف کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو قرآن مجید کی طرح حجت اور حق نہ مانتے تو قرآن مجید آج کتابی صورت میں اُمت کے ہاتھوں میں نہ ہوتا۔ آج قرآن مجید کے حوالے سے یہ دعویٰ کرنے والے کہ ’’صرف قرآن کافی ہے،‘‘ وہ اس حوالے سے سوچیں کہ یہ قرآن مجید اس ترتیب سے بنا کیسے ہے؟

یقیناً انھیں یہی جواب ملے گا کہ قرآن اس ترتیب سے حضور علیہ السلام کی حدیث اور سنت کے ساتھ بنا ہے، اس لیے کہ جو قرآن مجید کا حصہ نہیں، وہ حدیث کا حصہ ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کا آنا اور حضور علیہ السلام کے ساتھ دورۂ قرآن کرنا، یہ واقعہ بھی قرآن میں نہیں ہے بلکہ یہ بھی حدیث میں ہے۔ الغرض قرآن مجید کی ترتیب مقرر کرنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دینا کہ اس ترتیب سے لکھو، یہ سب احادیث ہیں۔ اگر حدیثِ رسول کو قرآن مجید ہی کی طرح حجت نہیں مانیں گے تو دینِ اسلام سے بھی گئے اور قرآن سے بھی گئے۔ اس صورت میں تو وہ قرآن مجید پر بھی ایمان نہیں لا سکتے۔ پس معلوم ہوا قرآن مجید کی ترتیب کا بھی سوائے حدیث مبارک کے کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

آقا علیہ السلام نے وحی خفی کے طور پر اللہ تعالیٰ سے رہنمائی لی اور ہدایتِ ربانی کے تحت اس قرآن مجید کو ترتیب دی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کسی بھی کلمہ کو ایک عام انسان اور بشر کے کلام کی طرح نہ سمجھنا، بلکہ یہ وحی ہیں۔ اگر میرے محبوب کی ہر بات کو وحی نہیں سمجھو گے اور وحی کی طرح حق نہیں جانو گے تو قرآن مجید کو حجت ماننا تو الگ بات، قرآن کو قرآن بھی نہیں مان سکتے۔

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: قرآن مجید کی آیت کریمہ ’وتعزمن تشاء وتذل من تشاء‘ کا صحیح مفہوم بتائیں۔ اللہ کی طرف سے تو فقط عزت ہے، ذلت تو انسان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔ آیت کریمہ میں ’وتذل من تشاء‘ کی تفصیلی وضاحت فرمائیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور ہر شئے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کوئی ذرہ بھی اذنِ الٰہی کے بغیر اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے اور نہ کوئی پتّہ گر سکتا ہے۔ اس کائنات کا کوئی معمولی سا عمل بھی اللہ تعالیٰ کے علم اور مشیت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے اور انسان کیا عمل کرے گا‘ سب ازل سے ہی علمِ الٰہی میں ہے۔ اسی کو تقدیر کا نام دیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو قدرت و اختیار عطا کیا ہے اور اسے خیر و شر کی تمیز سکھا کر خیر کو اختیار کرنے اور شر کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ. (الکہف، ۱۸: ۲۰)

اور فرما دیجئے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

اسی طرح ایک مقام پر ارشاد ہے:

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ۔ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ۔ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔

کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور (اسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)۔ اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیئے۔ (البلد، ۹۰: ۸۔۱۰)

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر کی تمیز سکھائی اور ان میں سے کسی ایک کو اپنانے کا اختیار دیا ہے۔ اب انسان کی مرضی ہے کہ خیر کا راستہ اپنا کر عزت کما لے یا شر کو اپنا کر ذلت و رسوائی کما لے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لاَّ رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ. (آل عمران، ۳: ۲۵)

سو کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جس (کے بپا ہونے) میں کوئی شک نہیں جمع کریں گے، اور جس جان نے جو کچھ بھی (اعمال میں سے) کمایا ہوگا اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیتِ مبارکہ کا دوسرا حصہ موضوع سے متعلقہ ہے کہ جو انسان کمائے گا اسی کا بدلہ اسے ملے گا۔ یعنی اچھے اعمال کی جزا ملے گی اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔ اسی منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگلی آیت مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو بآسانی بات سمجھ آجائے گی۔ فرمایا:

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (آل عمران، ۳: ۲۵)

(اے حبیب! یوں) عرض کیجئے: اے اللہ، سلطنت کے مالک! تُو جسے چاہے سلطنت عطا فرما دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تُو جسے چاہے عزت عطا فرما دے اور جسے چاہے ذلّت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بیشک تُو ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے۔

یعنی اچھے اعمال انسان کی عزت اور درجات کی بلندی کا سبب بنتے ہیں اور برے اعمال انسان کی ذلت و پستی کا باعث ہوتے ہیں‘ جبکہ خدا تعالیٰ کی رضا انسان کو عزت دینے میں ہے ذلت و رسوائی میں نہیں۔

و تذل من تشاء میں اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کا تذکرہ ہے نہ کہ اس کی رضا کا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کسی کو ذلت دینا نہیں ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ ’جسے چاہے ذلت دے‘ اس کا مطلب ہے کہ ذلت ملنا بھی خدا تعالیٰ کی مشیت و ارادے کے تابع ہے۔ اچھائی ہو یا برائی دونوں اثر پزیری کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادے، مشیت اور اذن ہی کی محتاج ہیں‘ خود سے مؤثر نہیں ہیں۔ اس لیے عزت و ذلت‘

دونوں اللہ کی مشیت وارادے سے مؤثر ہیں، از خود نہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عزت اللہ تعالیٰ کے ارادے و مشیت کے ساتھ ساتھ اس کے حکم اور رضا سے بھی ہے جبکہ ذلت اللہ تعالیٰ مشیت وارادے سے اثر پذیر تو ہے مگر اس کے کسب میں اللہ کا حکم اور رضا شامل نہیں ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا میں کیا فرق ہے؟

جواب: اوامر کو بجالانے اور نواہی کو ترک کرنے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو کچھ صادر کیا ہے، وہ احکام (حکم کی جمع) ہیں۔ احکامِ الٰہی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنكُمْ. (النساء، ۴: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُواْ لِلّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ. (البقرہ، ۲: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی بجالاتے ہو۔

۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (آل عمران، ۳: ۱۳۰)

اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یہ احکامِ الٰہی کی چند ایک مثالیں ہیں۔ قرآنِ مجید میں بے شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام، صریح اور واضح انداز میں بیان کر دیے ہیں اور انسان کو بتادیا ہے کہ اوامر کو بجالانے اور نواہی کو ترک کرنے سے میں راضی ہوتا ہوں، مگر انسان کو ان اوامر و نواہی کے بجالانے پر مجبور نہیں کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ. (الکہف، ۱۸: ۲۹)

اور فرما دیجئے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ (البلد، ۹۰: ۱۰)

اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں پر انسان کو اختیار و ارادہ کی آزادی بخشی ہے، ان پر اسے اجر دینے اور مواخذہ کرنے کا وعدہ بھی فرما رکھا ہے۔ یہ اختیار و ارادہ انسان کا ذاتی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے اور اس کا استعمال اگر انسان، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرے تو اس سے رضائے الٰہی عطا ہوتی ہے۔ رضا، اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کی جانب سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رضوان کا لفظ مخصوص کیا ہے۔ بندے کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ سے راضی ہو، دین مبین اسلام سے راضی ہو، اللہ کے اس رسول ﷺ سے راضی ہو جنہوں نے یہ دین مبین ہم تک پہنچایا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر دل سے یقین رکھے اور اپنے اوپر آنے والی آزمائشوں اور مصیبتوں کو سکون اور اطمینان سے قبول کرے۔ پس جو شخص اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، اسے اپنا نصب العین بنائے اور اس کی خاطر پیہم کوشش کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

سوال: غیر مسلموں سے تعلقات رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اہلِ علم اور فقہائے کرام نے غیر مسلموں سے تعلقات کی تین اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ موالات: اس سے مراد قلبی اور دلی محبت ہے۔ یہ صرف ہم عقیدہ لوگوں 'اہلِ اسلام' کے ساتھ جائز ہے، کفار و مشرکین سے رازدارانہ تعلق، قلبی محبت اور ان کا ایسا احترام کہ جس سے کفر کا احترام لازم آئے، جائز نہیں۔

۲۔ مواسات: اس کے معنی ہمدردی، خیر خواہی اور نفع رسانی کے ہیں۔ ایسے غیر مسلم جو اہلِ اسلام سے برسرِپیکار نہیں، وہ ہماری ہمدردی اور خیر خواہی کے مستحق ہیں۔ سورہ ممتحنہ میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (الممتحنہ، ۶۰: ۸)

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

ایسے لوگوں سے حسنِ سلوک اور ہمدردی و غم خواری میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہوں گے اور آپسی فاصلہ کم ہوگا۔

۳۔ مدارات: اس سے مراد ظاہری خوش خلقی اور ادب و احترام ہے۔ یہ تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، خاص طور پر جب اس سے مقصد دینی نفع رسانی، اسلام کی دعوت، اسلامی اخلاق و برتاؤ پیش کرنا ہو یا وہ ہمارے مہمان ہوں اور مہمانوں کا احترام بہر حال لازم ہے۔

دعوتِ دین کی خاطر غیر مسلم سے دوستی کرنا اور اس سے خوش اخلاقی سے پیش آنا جائز ہے، تاہم اس سلسلے میں اس بات کو یقینی بنانا از حد ضروری ہے کہ ہماری اسلامی امتیاز ہمہ وقت برقرار رہے اور عقائد یا دینی مسائل میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہو۔ کسی بھی مسلمان کو رواداری کے نام پر ذرہ برابر دین کے معاملے میں ردو بدل اور ترمیم کی اجازت نہیں ہے۔

غیر مسلم کے لئے 'السلام علی من اتبع الھدیٰ' یا 'آداب' کہنا جائز ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم 'السلام علیکم' کہے تو اسے جواب میں صرف 'وعلیکم' کہنا چاہیے۔ حدیث مبارک میں آتا ہے

:لاتبدؤا الیھود ولا النصاریٰ بالسلام.

یہود و نصاری پر سلام کہنے میں پہل نہ کرو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث مبارک میں آتا ہے:

اذا سلم علیکم الیھود فانما یقول احدھم السّام علیك فقل وعلیك. (او کما قال) (متفق علیہ)

جب تم کو یہود سلام کرتے ہیں تو وہ کہتے: السام علیك۔ وہ یہ لفظ استعمال کرتے تھے اس کا معنی ہے تم جلدی مر جاؤ۔ تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جواب میں تم بھی یہی الفاظ کہو: وعلیکم یعنی تم کو بھی ایسا ہی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ السلام علیکم کہے تو تم بھی وعلیکم السلام کہو، اگر وہ السام کہے تو تم جواب میں وعلیکم کہو۔

علماء کرام فرماتے ہیں اگر کوئی مسلمان ایسی جگہ پر کام کرتا ہو یا رہتا ہو جہاں پر وہ لوگ اکثریت میں ہوں تو اگر یہ مسلمان ان کے شر سے بچنے کے لیے ان پر سلام کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر وہ لفظ سلام استعمال کرتا ہے تو جواب بھی سلام سے ملے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بہر حال اگر وہ پہل کرے تو اچھا ہے، اگر مطلقاً بھی سلام کرے تو بعض علماء کے نزدیک فقط مکروہ ہے۔ المختصر یہ کہ اسلام سلامتی اور امن کا درس دیتا ہے لہذا انھیں سلام نہ کرنا مناسب اور بہتر رویہ نہیں۔

اتباعِ رسول ﷺ
مصطفوی معاشرے کے قیام کا مرکز و محور

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر موجود آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی پختگی کا دار و مدار چار امور پر قائم فرمایا ہے:

۱۔ محبتِ رسول ﷺ ۲۔ اطاعت رسول ﷺ
۳۔ اتباعِ رسول ﷺ ۴۔ ادب و تعظیم اور نصرتِ رسول ﷺ

آیئے! ان امور کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ان کا مفہوم کیا ہے اور یہ کس طرح ہمارے ایمان کی پختگی کا سبب قرار پاتے ہیں:

۱۔ محبتِ رسول ﷺ

ایمان کی پختگی کا دار و مدار جس پہلے امر پر ہے، وہ محبتِ رسول ﷺ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے متفق علیہ حدیث مروی ہے، آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

لا یؤمن احد کم حتی اکون احب إلیه من والده وولده والناس اجمعین۔ (صحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب حب الرسول ﷺ من الإیمان، الرقم الحدیث: ۱۵)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

گویا ایمان کی ابتداء ہی حضور نبی اکرم ﷺ کے محبوب تر ہو جانے سے ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ، لانت احب إلی من کل شیء إلا من نفسی، فقال النبی ﷺ: ''لا والذی نفسی بیده، حتی اکون احب إلیك من نفسك''، فقال له عمر: فإنه الآن واللہ لانت احب إلی من نفسی، فقال النبی ﷺ: ''الآن یا عمر''۔

(صحیح البخاري، کتاب الأیمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ؟، رقم الحدیث: ۶۶۳۲)

'' یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں، سوائے میری اپنی جان کے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا) جب تک میں تمہیں تمہاری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: پھر واللہ! اب آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، عمر! اب تیرا ایمان پورا ہوا۔''

اس حدیث سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ ایمان اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہو سکتا جب تک آپ ﷺ کی محبت و عشق ہمارے قلوب میں اس طرح موجود نہ ہو کہ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہمیں نہ صرف دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہوں بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔

۲۔ اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ

ایمان کی پختگی و استحکام کا دار و مدار جس دوسرے بڑے امر پر ہے، وہ اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

''(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔'' (آل عمران، ۳: ۳۱)

اس آیت میں اللہ رب العزت نے واضح فرما دیا کہ اگر ہم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو محبتِ الٰہی کا دروازہ اتباعِ رسول ﷺ سے کھلتا ہے اور اس کے انعام و اکرام اور جزا کی صورت میں اللہ کی محبت

نصیب ہوتی ہے۔ گویا دروازہ اطاعت واتباعِ مصطفیٰ ﷺ کا کھلے گا مگر نتیجہ میں محبتِ الٰہی مقدر ہوگی۔

اطاعت اور اتباع میں فرق ہے۔ اگر ہم اس فرق کو جان لیں تو ہمیں ان دونوں امور کی اہمیت و افادیت سے آگاہی ہوگی اور یہی آگہی ہمیں اطاعت اور اتباع کے راستے پر کماحقہ گامزن ہونے کی ترغیب دے گی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول ﷺ کا ذکر بھی کیا ہے اور اتباعِ رسول ﷺ کا ذکر بھی کیا ہے۔ اطاعت کے حوالے سے اللہ رب العزت نے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔ (النساء، ۴: ۸۰)

’’جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، بیشک اس نے اللہ (ہی) کی اطاعت کی۔‘‘

گویا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے۔

اتباع کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔ (آل عمران، ۳: ۳۱)

’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔‘‘

اول الذکر آیت میں اطاعتِ رسول ﷺ کی بات ہے جبکہ آخر الذکر میں اتباعِ رسول ﷺ کا بیان ہے۔ اتباعِ رسول ﷺ کا مقام الگ ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ کا مقام الگ ہے۔ امام جرجانی المعجم التعریفات میں اطاعت کا معنیٰ بیان فرماتے ہیں:

الطاعة: هى موافقة الأمر طوعا۔ (المعجم التعریفات، ص: ۱۱۸)

’’کسی حکم پر رضامندی اور فرمانبرداری کے ساتھ موافقت پیدا کرنے کو اطاعت کہتے ہیں۔‘‘

اس معنیٰ کی رو سے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ رب العزت یا حضور علیہ السلام کے کسی بھی حکم پر رضامندی اور فرمانبرداری کے ارادہ کے ساتھ اپنی موافقت پیدا کرنا، اطاعت کہلاتا ہے۔

لسان العرب میں ابن منظور افریقی ’’اتباع‘‘ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تَبِعَ الشیءَ تَبعاً وتَباعاً فی الأفعال۔ (لسان العرب، ۱: ۴۱۸)

’’کسی کے پیچھے چلنا، اس کی پیروی کرنا اتباع کہلاتا ہے۔‘‘ یعنی کسی کے نقشِ قدم پر چلنے کا نام اتباع ہے۔

اطاعت اور اتباع کے ان معانی سے معلوم ہوا کہ اطاعت کا تعلق احکام کے ساتھ ہے جبکہ اتباع کا تعلق ذات کے ساتھ ہے۔ جب احکامات پر عمل پیرا ہونے لگیں تو سمجھیں کہ اطاعت رسول ﷺ کا فیض مل رہا ہے اور جب آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے جڑنے لگیں تو سمجھیں کہ آقا ﷺ کی قربت کا فیض مل رہا ہے۔۔۔ اطاعتِ رسول ﷺ کے ذریعے شریعتِ محمدی ﷺ مکمل اور

مستحکم ہوتی ہے جبکہ اتباع کے ذریعے محبت و قربتِ مصطفی ﷺ مستحکم اور مکمل ہوتی ہے۔۔۔
اطاعتِ رسول ﷺ کے ذریعے دین کا ظاہر مکمل ہوتا ہے جبکہ اتباعِ رسول ﷺ کے ذریعے دین کا باطن مکمل ہوتا ہے۔۔۔ اطاعتِ رسول ﷺ سے دین کی نسبت مضبوط ہوتی ہے جبکہ اتباع کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نسبت مستحکم اور مکمل ہوتی ہے۔۔۔ اطاعت کا تعلق آپ ﷺ کے احکام سے ہے جبکہ اتباع کا تعلق آپ ﷺ کی خوبصورت کی اداؤں سے ہے۔۔۔ اطاعتِ رسول ﷺ کا تعلق فرمانِ مصطفی ﷺ سے ہے جبکہ اتباعِ رسول کا تعلق عمل و فعلِ مصطفی ﷺ اور ذات و نسبتِ نقش پائے مصطفی ﷺ سے ہے۔۔۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین کی روشنی میں شریعت کی پیروی کریں تو اطاعت ہے جبکہ حضور علیہ السلام کی اداؤں کو دہراتے چلے جائیں تو اتباع ہے۔۔۔ حضور علیہ السلام کی رضا کی خاطر عمل کریں تو اطاعت ہے جبکہ آپ ﷺ کی سنتوں کو اپنا اسوہ اور قدوہ بنالیں اور حضور علیہ السلام کی مسکراہٹ کی خاطر عمل کریں تو اتباع ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظِ اطاعت استعمال کیا تو اس کو اپنے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت دی مگر قرآن مجید میں جہاں کہیں اتباع کا لفظ آیا تو اللہ رب العزت نے اسے اپنے ساتھ نسبت نہیں دی۔ اس لیے کہ اطاعت کے لیے حکم کافی ہے جبکہ اتباع ذات کی ہوتی ہے اور اتباع کے لیے ضروری ہے کہ جس کی اتباع کی جارہی ہے وہ مجسم اور متشخص صورت میں سامنے موجود ہو۔

اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ آقا ﷺ نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دین کے دیگر احکامات پر عمل کا حکم دیا تو ہم نے فرمانبرداری میں سرِ تسلیم خم کر لیے اور عمل پیرا ہوگئے، یہ اطاعت ہے۔ اتباع یہ ہے کہ جن کا حکم مانا، اطاعت کی، ان کی ما ذاغ البصر والی نگاہ بھی سامنے ہو۔۔۔ جن کی اطاعت کی، ان کی والیل اذا سجیٰ والی زلفیں بھی پیشِ نظر ہوں۔۔۔ جن کی اطاعت کی ان کا اسوہ اور قدوہ حسنہ بھی سامنے ہو۔۔۔ ان کی ادائیں، ان کا حسن و وقار، ان کا خراماں ناز چلنا، قیام فرمانا، الغرض اس ذاتِ مقدسہ کی ہر ایک ادا نگاہوں میں ہو۔ پس ذاتِ مصطفی، نسبتِ مصطفی اور نقش پائے مصطفی ﷺ میں فنا ہونا کا نام اتباعِ رسول ﷺ ہے۔

تعلق و نسبتِ رسالت میں کمزوری کیوں؟

آج ہم تعلق و نسبتِ رسول ﷺ میں کمزور ہو چکے ہیں، جس کے سبب ہمہ جہتی زوال ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ اس زوال سے نکلنے کا راستہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ۔ (الحجرات، ۴۹: ۷)

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت اہلِ ایمان کو فرما رہا ہے کہ یہ بات ہمیشہ تمہارے پیش نظر رہے اور تمہاری توجہ اس نعمت پر رہے کہ تم میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں۔ یہ کتنا محبت بھرا پیغام ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کی زبانِ اقدس سے ادا کروا کر آپ ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کو سنایا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ میرے محبوب ﷺ کا وجود ہی تم میں کافی ہے۔ اگر اطاعت کے رستے سے تم میرے محبوب کے قریب ہونا چاہتے ہو تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔۔۔ اگر محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کو اپنا کر، محبوب ﷺ کے اسوہ اور قدوہ پر عمل پیرا ہو کر ان کے قریب ہونا اور ان کو اپنا محبوب بنانا چاہتے ہو، تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔۔۔ اگر احکاماتِ شریعت پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہو، تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔۔۔ اگر دین اور معاشرے کو استحکام دینا چاہتے ہو تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔۔۔ اگر اپنے معاشرے کو مصطفوی بنانے اور خرافات و فحاشی و عریانی کو ختم کر کے اس کو پاک صاف کرنا چاہتے ہو تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔۔۔ اگر خدا تک پہنچنا چاہتے ہو تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔۔۔ دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔۔۔ قرآن و سنت مصطفی ﷺ کو سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہو تب بھی رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔

اس آیت کا دوسرا حصہ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔) ہماری معاشرتی زبوں حالی کی عکاسی کر رہا ہے کہ ہم کیوں تباہ

ہو رہے ہیں۔۔۔ ہمارا تعلق باللہ و بالرسول ﷺ کیوں کمزور ہو رہا ہے۔۔۔؟ ہمارا تعلق بالقرآن اور تعلق بالعلم کیوں کمزور ہو رہا ہے۔۔۔؟ ہماری نسبتِ رسالت ﷺ کیوں کمزور ہو رہی ہے۔۔۔؟ ہم اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ میں کیوں کمزور ہو رہے ہیں۔۔۔؟ اس لیے کہ ہم نے اس مفہوم کو صحیح طرح سے سمجھا ہی نہیں اور اگر سمجھا ہے تو بھی اسے زندگیوں میں شامل نہیں کیا اور شامل کیا بھی ہے تو اپنی مرضی کے مفاہیم شامل کیے ہیں اور کلیتاً اسے زندگیوں کا حصہ نہیں بنایا۔

آج ہم نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات اور فرامین سے عملاً کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ محبت، اطاعت اور اتباع سے ہمارا دامن آہستہ آہستہ خالی ہوتا جارہا ہے، نتیجتاً ہم ہر محاذ اور میدان میں مشکلات کا شکار ہیں۔ اگر ہم اپنے اس زوال کو دوبارہ عروج میں بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں حقیقی معنی میں اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کرنا ہوگی۔

آیت مبارکہ کے تیسرے حصے وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ۔ (لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی۔) سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ اللہ ایمان کی بدولت مشکلات سے بچاتا ہے۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہمارے لیے ایمان کو منتخب فرمایا ہے اور اس ایمان کی زینت اور نعمت سے ہمارے دلوں کو مزین و منور کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے ایک اور الوہی انتظام بھی کردیا کہ کفر، نافرمانی اور گناہوں کو ہمارے لیے قابلِ نفرت عمل بنادیا۔ یعنی اللہ رب العزت نے ایک طرف ہمیں ایمان کی نعمت سے نوازا ہے اور دوسری طرف ہمیں کفر، فسق و فجور، نافرمانی اور گناہ و عصیان سے متنفر کردیا تاکہ ہم ان سے اجتناب اور کنارہ کشی اختیار کریں۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و پیروی میں سرِ تسلیم خم کرنے، آپ ﷺ کی اتباع کرنے، آپ ﷺ کی محبت میں فنا ہونے اور آپ ﷺ کو اپنی جان، مال، عزت، آبرو، اولاد اور والدین سے بڑھ کر محبوب رکھنے سے ایمان مکمل ہوگا اور اسی ایمان کی محبت کے سبب مشکلات سے بھی بچیں گے اور کفر، فسق اور عصیان سے بھی محفوظ رہیں گے۔ جب ہر شے سے بڑھ کر حضور ﷺ کو مان لیا اور آپ کے بارے میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ رہی اور ہر طرح کا سوال ختم کرکے حضور کے سامنے سرِ تسلیم خم کرلیں تو یہ ہی حقیقی معنی میں اطاعت و اتباع ہے۔ اسی ایمان سے اللہ تعالیٰ نے قلوب کو مزین فرمادیا اور اس کے وسیلہ سے ہی کفر، فسوق اور عصیان سے ہمیں متنفر کردیا۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا۔ (النساء، ۴: ۸۰)

”جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔“

معلوم ہوا جس نے رسول اللہ ﷺ کا حکم مانا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کی اور جس نے نبی اکرم ﷺ کے حکم سے روگردانی کی، اس نے حکمِ الٰہی ماننے سے انکار کر دیا۔ اس حکم عدولی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ آپ ﷺ ان پر نگہبان نہیں ہیں۔ یعنی جس نے محبوب ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی اور آپ ﷺ سے روگردانی کر دی، آپ ﷺ کی بارگاہ کا گستاخ ہو گیا تو اب حضور نبی اکرم ﷺ اس کے نگہبان، اسے بچانے والے اور اس کے شافع و مشفع نہیں ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آقا علیہ السلام نے فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى. قِيلَ: وَمَنْ أَبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فقد أَبَى۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب التمسک بالکتاب والسنہ، رقم الحدیث: ۱۴۳)

”میری ساری امت جنت میں جائے گی بجز اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا کہ کس نے انکار کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، گویا اس نے انکار کر دیا۔“

مصطفوی معاشرہ کا قیام کیونکر ممکن ہے؟

پورے دین کا دارومدار ذاتِ مصطفیٰ ﷺ پر ہے۔ اطاعت و اتباعِ مصطفیٰ ﷺ میں ہی دین کی حیات اور بقا ہے اور اسی تعلق و نسبت کے سبب ہی حضور علیہ السلام کی نظرِ کرم، شفاعت اور حفاظت کا سایہ میسر آئے گا۔ اس مصطفوی معاشرہ کا قیام جس کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور منہاج القرآن انٹرنیشنل کوشاں ہے، اس کی بنیاد ہی اطاعت اور اتباعِ رسول ﷺ میں ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس معاشرے کے خدوخال کا تذکرہ فرمادیا ہے کہ وہی معاشرہ ایک حسین اور مثالی معاشرہ ہوگا، جس کو قائم کرنے والوں میں یہ خوبیاں پائی جائیں گی:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا۔ (النساء، ۴: ۳۶)

”اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور

مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو۔‘‘

اگر یہ خوبیاں ہمارے معاشرے کے ہر فرد اور طبقہ میں آجائیں تو ہر فرد ایک مثالی فرد ہوگا اور ایسا معاشرہ ایک مثالی مصطفوی معاشرہ بن جائے گا۔ اگر ہمیں ایک مصطفوی معاشرہ بنانا ہے تو اس کے لیے اطاعتِ رسول ﷺ کو اپنانا ہوگا اور اتباعِ رسول ﷺ میں فنا ہونا ہوگا۔ یاد رکھیں! فہمِ دین کا سارا دارومدار بھی ذاتِ مصطفی ﷺ میں ہے اور مثالی معاشرے کے قیام کا دارومدار بھی ذاتِ مصطفی ﷺ اور اطاعت واتباعِ رسول ﷺ میں ہے۔

یہ اطاعت واتباع کیسے حاصل ہوگی؟ اسے واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ (الحشر، ۵۹: ۷)

’’اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں کامیاب زندگی بسر کرنے کا ایک فارمولا دے دیا کہ جو میرے محبوب ﷺ تمہیں دے دیں، وہ لے لیا کرو اور جس سے میرے مصطفی ﷺ تمہیں روک دیں تو اس سے رک جایا کرو۔ جو خبر میرے مصطفی ﷺ کے در سے تمہیں مل جائے ’’امنا و صدقنا‘‘ کہہ کر سرِ تسلیم خم کرنے میں ہی فلاح و کامیابی ہے۔

یہ فرما کر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرتے رہو) یعنی رسول ﷺ کی تقسیم وعطا پر کبھی زبانِ طعن نہ کھولو)۔ یہاں سے محبت کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ جب تقسیم وعطا کے بارے میں سوچ میں پڑ گئے تو راستہ کھو دیں گے۔ اس لیے ہمیشہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان اور رضا کے مطابق عمل کرنے میں سرگرداں رہیں، جو محبوب ﷺ کی رضا ہے، وہ خدا کی رضا ہے۔۔۔ جو حضور علیہ السلام کی عطا ہے، وہ خدا کی عطا ہے۔۔۔ اور جس پر حضور علیہ السلام نے منع کر دیا، وہ خدا کا منع کرنا ہے۔

یاد رکھیں! متابعتِ سنتِ مصطفی ﷺ میں رہنا ہی ولایت ہے۔ جب چلنا، پھرنا اور گفتگو کرنا حضور ﷺ کی سنت اور اداؤں کے مطابق ہو، زندگی کا نصب العین حضور ﷺ کے احکامات اور شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہو اور فکر اور عمل آقا ﷺ کے اعمال کے مطابق ہو تو یہی ولایت ہے۔ ہم حضور علیہ السلام کے صحابہ اور اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کی محبت، اتباع اور اطاعت کا ذکر کرتے ہیں مگر جس طرح ان ذواتِ مقدسہ نے محبت، اطاعت اور اتباع کا حق ادا کیا، اس نقشِ قدم پر نہیں چلتے۔ مشکلات میں

صبر کرنا اتباعِ رسول ﷺ ہے۔۔۔ اپنی خواہشات، مفادات اور ترجیحات کو معاشرے کے ضرورت مند طبقہ اور افراد کے لیے قربان کر دینا اتباعِ رسول ﷺ ہے۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کی زندگیاں اتباعِ رسول ﷺ کے اس حقیقی اظہار سے معمور تھیں۔ اگر ہم بھی آج اتباعِ رسول ﷺ کے اسی مفہوم کو اپناتے ہیں تو ہم بیک وقت اتباعِ رسول ﷺ اور سنت صحابہ و اہل بیت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرنے والے ہوں گے۔

آج معاشرتی بے راہ روی کا دور دورہ ہے۔ ہم حضور ﷺ کے نام پر قربان ہونے اور ''فداك ابی و امی یا رسول اللہ'' کے دعوے کرتے اور نعرے لگاتے نہیں تھکتے مگر سوال یہ ہے کہ کیا صرف زبان سے اقرار کرنا ہی محبتِ مصطفی ﷺ ہے؟ محبت و اتباعِ مصطفی ﷺ کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب ایثار و قربانی دینے کا وقت آتا ہے کہ اب کون ہے جو حقیقی معنی میں محبت، اطاعت اور اتباعِ مصطفی ﷺ کا پیکر ہے۔ جب اطاعت و اتباع کا راستہ تھامیں گے، حضور ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوں گے، حضور ﷺ کی رضا اور عطا میں راضی ہوں گے، جو حضور ﷺ دیں گے، اسے لے لیں گے، جس سے حضور ﷺ منع کر دیں گے، اس سے منع ہو جائیں گے تو پھر اجر و انعام کے طور پر حضور علیہ السلام ہر ایک نعمت عطا کر دیں گے لیکن اس کے لیے عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ ہم میں موجود ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں اخلاقیات، روایات اور اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے، رشتوں میں کوئی قدریں نہ رہیں، معاشرہ عظیم معاشرہ نہ بن سکا، لوگوں میں اخلاق، قرینہ اور سلیقہ نہ رہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ کا پیغام فراموش کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اگر ہمارا عقیدہ ہو کہ حضور ﷺ ہم میں ہیں تو ادب زندہ ہے اور اگر نعوذ باللہ یہ عقیدہ ہو کہ حضور ﷺ ہم میں نہیں تو ادب بھی زندہ نہیں رہتا۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ادبِ رسول ﷺ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

راس الادب ماھو؟ کمالتلسلیم الھو ولانقعاد لامرہ - وتلقی الخبرہ بالقبول- وتصدیق دون ایں یحلہ معارضتہ خیال باطل یسمیہ صاحبہ معقولاً او یسمیہ شبھۃ او شك یقدمرعلیہ آراء الرجال و ذبالات الاذھانھم۔

(امام قسطلانی، المواہب الدنیہ، ج: ۲، ص: ۵۸۹)

''ادب کی اصل یہ ہے کہ حکم دینے والے کے حکم کے آگے مکمل تسلیم و رضا کے ساتھ جھک جانا۔ اس کے حکم میں کسی قسم کا انکار یا توقف نہ کرنا۔ خبر کو (اس سے) بلا تردد قبول کرنا اور اس کی تصدیق

کرنا۔ اگراس کے برعکس کسی باطل خیال کا سامنا کرنا پڑے، جسے اس کا قائل عقلی بات کا نام دیتا ہو یا جس سے شبہ یا شک پیدا ہوتا ہو تو اس کو ٹھکرا دینا۔ لوگوں کی آراء یا ان کے کمزور اور گمراہ کن خیالات کو ترجیح نہ دینا۔''

پس اگر اتباعِ سنت کے راستہ پر گامزن ہوں گے تو آقا ﷺ کی موجودگی کا فیض ملتا چلا جائے گا۔۔۔ اگر اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللهِ کا تصور جمائے رکھیں گے تو معاشرہ مصطفوی معاشرہ بن جائے گا۔ پس جب آپس میں میل جول اور تعلقات بنائیں، لین دین کریں، الغرض کوئی بھی معاملۂ حیات کریں تو اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللهِ کی فکر کو زندہ کریں۔ اگر حضور ﷺ کی اطاعت اور اتباع ہمارے اعمال میں رہے گی تو پھر آپ ﷺ کی محبت بھی سلامت رہے گی۔ اگر اطاعت و اتباعِ مصطفی ﷺ والا مزاج مل جائے تو پھر زندگی میں خیر ہی خیر ہے۔

تحریک منہاج القرآن آقا ﷺ کی محبت، اطاعت اور اتباع کے احیاء کی تحریک ہے۔۔۔ منہاج القرآن اقامتِ دین کی تحریک ہے۔۔۔ منہاج القرآن آقا ﷺ کی اتباع اور سنت پر عمل پیرا ہونے اور کروانے کی تحریک ہے۔ جب کبھی معاشرہ میں نسبتِ اطاعت کمزور ہوئی تو منہاج القرآن نے اس رشتہ کو مضبوط کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔۔۔ نسبتِ اتباع اور نسبتِ محبت کمزور ہوئی تو منہاج القرآن نے اس کا حل عطا کیا ہے۔۔۔ اسوۂ مصطفی ﷺ پر عمل میں کمزوری آئی تو منہاج القرآن اقامتِ دین، احیائے دین اور احیائے سنت مصطفی ﷺ کی تحریک کے طور پر سامنے آیا۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس عزم کے ساتھ گلی گلی، نگر نگر جائیں کہ ہم نے لوگوں میں حضور ﷺ کی محبت، اتباع اور سنتوں کی پیروی کے رشتے کو مضبوط کرنا ہے اور یہی ہمارا نصب العین ہے۔ اس رشتے کو مضبوط کریں، لوگوں کو اس کی ترغیب دیں، انھیں رغبت دلائیں اور خوبصورت مجالس اور محافل کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع کر دیں۔ ہر جگہ امت کے ان کھوئے ہوئے رشتوں کو مضبوط کرنا شروع کر دیں اور اپنی زندگیوں میں بھی اسے شامل کریں۔ آقا ﷺ کا میلاد ایسے منائیں کہ جیسے منانے کا حق ہے۔ ہر جگہ حضور ﷺ کے ساتھ محبت و اطاعت اور اتباع کے رشتے کو مضبوط کرتے چلے جائیں اور معاشرے کو ایسا بنائیں کہ ہر طرف سے حضور ﷺ کی سنتوں کی اتباع اور اطاعتِ مصطفی ﷺ کی خوشبو آنا شروع ہو جائے۔

جیسے میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ایسا نہیں کوئی

گزشتہ سے پیوستہ

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو عطا ہونے والے جملہ معجزات، تاجدار کائنات ﷺ کی ذات بابرکات میں بھی تھے بلکہ ان سے بہت بڑھ کر تھے۔ اس مضمون کے گزشتہ حصہ میں ہم چند انبیاء کرام علیہم السلام اور آقا علیہ السلام کے معجزات کا اس تناظر میں مطالعہ کر چکے ہیں، اس حوالے سے آقا علیہ السلام کے مزید معجزات کا ایک جائزہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

۱۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا تو پانی نکل آیا۔ بلاشک و شبہ یہ ایک عظیم معجزہ ہے لیکن اسے اگر اس زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے کہ پانی اکثر پتھر سے ہی نکلا کرتے ہیں تو اس میں ہمیں وہ کمال نظر نہیں آتا جو کمال پانی سے متعلقہ معجزات میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاں نظر آتا ہے۔ تاجدار کائنات ﷺ اپنا دستِ اقدس چھاگل یا پیالہ میں رکھتے تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے پانی کی ایک چھاگل رکھی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا۔ لوگ آپ ﷺ کی طرف تیزی سے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! لَیْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ وَلَا نَشْرَبُ إِلَّا مَا بَیْنَ یَدَیْكَ، فَوَضَعَ یَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ۔
(البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳: ۱۳۱۰، الرقم: ۳۳۸۳)

ہمارے پاس وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے لئے۔ صرف یہی پانی ہے جو آپ کے سامنے رکھا ہے۔
حضور نبی اکرم ﷺ نے (یہ سن کر) دستِ مبارک چھاگل کے اندر رکھا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی چشموں کی طرح جوش مار کر نکلنے لگا۔ چنانچہ ہم سب نے (خوب پانی) پیا اور وضو بھی کر لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے، تب بھی وہ پانی سب کے لئے کافی ہو جاتا، جبکہ ہم تو پندرہ سو تھے۔‘‘

پانی کا پتھروں سے نکلنا عام بات ہے لیکن پانی کا ہاتھوں کی انگلیوں سے رواں ہونا، یہ صرف تصرفِ مصطفی ﷺ کے سبب ہی ممکن ہے۔ علماء کرام نے اس معجزہ کو ’’معجزۂ تکثیر الماء‘‘ کا نام دیا کہ آقا ﷺ نے قلیل مقدار میں موجود پانی کو برکت سے زیادہ فرمادیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی اسے معجزہ تکثیر الماء نہیں بلکہ اسے معجزۂ تخلیق الماء قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس مغالطہ میں نہ رہنا کہ یہ کم پانی کو زیادہ کرنے کا معجزہ ہے۔ نہیں، بلکہ بے شمار واقعات اور احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گواہی دی ہے کہ ہم نے خود آقا علیہ السلام کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلتے دیکھا ہے۔ جب انگلیوں سے پانی نکلتے دیکھا تو یہ تکثیر الماء نہیں بلکہ حضور سرور کائنات ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے تخلیق ہونے کا معجزہ ہے۔ یہ آقا علیہ السلام کی وہ شانِ تخلیقیت ہے جس کا مظہر اللہ رب العزت کی عطا سے آپ ﷺ بنے۔ یہ شانِ تخلیقیت اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو عطا نہیں کی۔

۲۔ آقا علیہ السلام کے اس طرح کے معجزات کی ایک طویل فہرست ہے، جس میں آپ ﷺ کی شانِ تخلیقیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک اور معجزہ ملاحظہ ہو۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ حدیبیہ کے قریب ایک ایسے کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ لوگوں نے اس میں سے تھوڑا تھوڑا کر کے پانی لے لیا حتیٰ کہ وہ ختم ہو گیا۔ لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں پیاس کی شکایت کی تو:

فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوْهُ فِيهِ، فَوَاللهِ، مَا زَالَ يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوْا عَنْهُ. (بخاري، الصحيح البخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب، ج:۲، ص: ۹۷۴، الرقم الحديث: ۲۵۸۱)

آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور پھر اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیتے ہوئے فرمایا: اسے اس کنوئیں میں ڈال دو۔ (یعنی گاڑھ دو)۔ خدا کی قسم! پانی فوراً ابلنے لگا اور تمام لوگ پانی سے سیراب ہو گئے۔

پہلی روایت میں ہے کہ آقا علیہ السلام نے اپنا دستِ مبارک چھاگل / پیالہ میں ڈالا تو پانی انگشتانِ مبارک سے جاری و ساری ہو گیا۔ اب آپ ﷺ نے اپنی یہ شان بھی دکھادی کہ آپ ﷺ نے جس تیر کو اپنے دستِ اقدس سے چھوا تھا، جیسے ہی وہ کنوئیں میں گاڑھا گیا تو کنوئیں میں سے پانی ابلنے لگا اور اتنا پانی پیدا ہوا کہ پورا قافلہ اور مویشی سیراب ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اس معجزہ سے یہ پیغام بھی دے دیا کہ اگر ایک بے جان چیز میرے ہاتھ کی برکت اور مجھ سے نسبت کے سبب لوگوں کے لیے فیض رسانی کا باعث بن سکتی ہے تو قیامت تک میری امت میں آنے والے اولیاء و صلحاء جنھیں میری ذات و تعلیمات کا براہِ راست فیض میسر آرہا ہو گا، اُن کی کرامات اور اُن کا مخلوقِ خدا کو فیض رسانی کا عالم کیا ہو گا۔

۳۔ اسی شانِ تخلیقیت کا ایک اظہار یہ بھی تھا کہ اگر آقا ﷺ اپنے دستِ اقدس سے کسی صحابی کو میدانِ جنگ میں لڑنے کے لیے درخت کی ایک ٹہنی عطا فرماتے تو آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے چھوتے ہی درخت کی وہ ٹہنی لوہے کی تلوار بن جاتی۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن میری تلوار ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک چھڑی عطا فرمائی۔ میں نے اسے ہاتھ میں لیا تو وہ سفید رنگت کی لمبی تلوار بن گئی۔ میں نے اس معجزانہ تلوار کے ساتھ جہاد کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی۔ یہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس موجود رہی۔

(ابن ہشام، سیرت النبویہ، ۳: ۱۸۵)

کیا کبھی کسی سائنسدان نے لکڑی سے بھی لوہا بنایا ہے؟ کوئی نہیں بنا سکتا، لیکن آقا علیہ السلام کے دستِ اقدس سے یہ معجزہ بھی ظاہر ہوا۔ یہ شانِ تخلیقیت ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ لکڑی کی ٹہنی کو چھوئیں تو وہ تلوار بن جاتی ہے اور وہ صرف چند لمحات کے لیے تلوار نہیں ہے بلکہ یہ لکڑی کی ٹہنی ایسی تلوار بنی کہ وہ صحابی مرتے دم تک اس سے لڑتے رہے اور وہ ٹہنی تلوار ہی رہی۔

آقا علیہ السلام کی اس شانِ تخلیقیت اور تصرف و اختیار پر قربان جائیں کہ جیسے چاہیں ویسا کر دیتے ہیں۔ لکڑی کو لوہا بنا دیتے ہیں۔۔۔ انگلیوں سے پانی رواں کرتے ہیں۔۔۔ لکڑیوں کو روشن فرما دیتے ہیں۔۔۔ سنگریزوں کو تیر کی طرح ہوا میں اڑاتے ہیں۔۔۔ جس پر نگاہ کریں، اس کی تقدیر و قسمت بدل دیتے ہیں۔۔۔ تھوڑے کھانے کو زیادہ کر دیتے ہیں۔۔۔ کسی کے چہرے کو چھو لیں تو وہ اتنا منور و تاباں ہو جاتا کہ وفات تک روشن رہتا۔۔۔ کسی کو لعاب دہن عطا فرما دیتے تو اس کو شفا ہو جاتی۔۔۔ کسی کو پانی دم کر کے عنایت کرتے تو اس کی وقتی ضرورت تو پوری ہوتی مگر اس کے ساتھ ساتھ اس لمس اور دم کا فیض بھی اس کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہتا۔۔۔ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیں تو اس کو سب بڑا عالم بنا دیتے۔

حتی کہ وصال مبارک کے بعد بھی فیض کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ تصرف فرما کر ہر صدی میں تجدید واحیاء دین کے لیے اُس صدی کا مجدد مقرر فرمادیتے ہیں۔ تصرفِ مصطفیٰ ﷺ کا یہ اظہار ہر آن ہر زمانے میں جاری وساری ہے، اس لیے کہ وہ زمانہ بھی مصطفیٰ ﷺ کا تھا۔۔۔ یہ زمانہ بھی مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔۔۔ اور آنے والا ہر زمانہ بھی مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔

وہ ٹہنی جسے تاجدار کائنات ﷺ کے دستِ اقدس کا لمس چند لمحات کے لیے مل گیا ہو تو اس میں یہ تاثیر آجاتی ہے کہ وہ کنوئیں کو بھر دے تو وہ اہل اللہ، صوفیاء اور اپنے ادوار کے مجددین جن کے سینے محبت رسول ﷺ سے سرشار رہتے ہیں۔۔۔ جن کی پوری زندگی تاجدار کائنات ﷺ کے قدموں سے فیض یاب ہوتی رہتی ہے۔۔۔ جن کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا اور جینا مرنا دینِ مصطفیٰ ﷺ کی خاطر ہوتا ہے۔۔۔ جو ہمہ وقت عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے معمور رہتے ہیں اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں، ایسے لوگوں کی شان کا عالم کیا ہوگا۔۔۔ قیامت تک ان کی برکات، تصرفات اور کرامات سے نہ جانے کتنے دلوں کی کایا پلٹتی رہے گی۔۔۔ کتنے لوگوں کی تقدیریں سنورتی رہیں گی۔۔۔ کتنے دل معارف سے آشنا ہوتے ہوں گے۔۔۔ کتنے باطن علم اور ایمان کے نور سے سیراب ہوتے ہوں گے۔ یہ تمام شانِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار ہے۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا جس راستہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ہوتا تھا۔ جب آپ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا اور آپ نے مجھے دیکھا تو مسکرا دیئے اور جو میرے دل میں اور میرے چہرے پر تھا، آپ ﷺ نے پہچان لیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئے تو وہاں

کسی صحابی کی طرف سے ہدیہ کیا گیا دودھ کا پیالہ موجود تھا۔ دودھ کا پیالہ دیکھ کر آپ ﷺ کو بھوک سے پریشان ونڈھال اصحابِ صفہ کی یاد آگئی۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

اہلِ صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ میں نے سوچا کہ یہ دودھ ہے ہی کتنا کہ سارے صفہ والوں میں تقسیم ہو، اس کا حقدار میں تھا کہ اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ جب صفہ والے آئیں گے تو آپ ﷺ مجھے اس دودھ کو ان میں تقسیم کرنے کا حکم دیں گے اور مجھے تو شاید اس دودھ میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تابعداری کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں اصحابِ صفہ کے پاس آیا اور نبی کریم ﷺ کی دعوت پہنچائی۔ چنانچہ وہ آ گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے وہ دودھ سب اصحاب میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ میں نے پیالہ پکڑ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا۔ ایک صحابی دودھ پی کر جب سیراب ہو جاتا تو پھر میں وہ پیالہ دوسرے صحابی کو دیتا، وہ بھی سیراب ہو کر پیتا تو اگلے صحابی کو دے دیتا۔

جب سب صحابہ دودھ پی کر سیراب ہو گئے تو آخر میں آپ ﷺ نے پیالہ پکڑا اور میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا: بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پیا۔ نبی کریم ﷺ برابر فرماتے رہے کہ اور پیو، اور پیو۔ آخر مجھے کہنا پڑا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب بالکل گنجائش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر مجھے دے دو۔ میں نے پیالہ نبی کریم ﷺ کو دے دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا دودھ خود نوش فرمالیا۔ (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ، وتخليهم من الدنيا، الرقم الحدیث: ٦٤٥٢)

لوگ آقا علیہ السلام کی عطاؤں پر شک کرتے پھرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام (نعوذ باللہ) کچھ نہیں دے سکتے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اللہ کے اذن سے سب کچھ عطا فرما سکتے ہیں، صرف ہمیں مانگنے کا ڈھنگ اور سلیقہ آنا چاہیے۔ جب شدید طلب ہو تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چل کر دیکھیں، پھر دیکھیں کہ حضور علیہ السلام یوں عطا فرماتے ہیں کہ انسان سیر ہو جاتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ بس ہو گئی، اب مزید کی گنجائش نہیں۔

تمام عوالم شان و عظمتِ مصطفی ﷺ پر گواہ ہیں

آقا علیہ السلام کے عظمت اور تصرفات کی کوئی حد نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا اختیار و تصرف زماں و مکاں کی حدود و قیود سے بھی ماوراء ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے تصرفات اسی عالمِ دنیا کے تھے جبکہ تاجدار

کائنات ﷺ کے تصرفات واختیارات نے ہر عالم کو چھوا ہے۔ چاہے وہ عالمِ ناسوت ہو، عالمِ ملکوت ہو، عالمِ لاہوت ہو، عالمِ ارواح، یا پھر عالمِ برزخ، ہر اک عالم پر نشانِ شان و عظمت مصطفیٰ ﷺ موجود ہے۔ سبھی عوالم عظمت و شانِ مصطفیٰ ﷺ کے گواہ اور شاہد ہیں۔ اختیار و تصرف اور عظمت و شانِ مصطفیٰ ﷺ پر عالمِ آخرت بھی گواہ ہے اور عالمِ دنیا بھی گواہ ہے، عالمِ حیوانات بھی گواہ ہے اور عالمِ نباتات بھی گواہ ہے۔ ارض و سماء، شجر و حجر، چرند پرند الغرض ہر ایک شے تصرفات واختیارات مصطفیٰ ﷺ پر گواہ ہے۔

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ پر برزخ کیسے گواہ ہے؟ اس کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کا حسین چہرہ قبر میں ہر کسی نے دیکھنا ہے۔ جب صاحبِ قبر سے پوچھا جائے گا:

مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِی هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔

تم اس شخصیت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں دنیا میں کیا کہا کرتے تھے؟ (صحیح بخاری، ۱: ۴۵۰، حدیث: ۱۳۳۸)

تب ہر کسی کو برزخ کا امتحان پاس کرنے کے لیے آقا علیہ السلام کے بارے میں کچھ بتانا پڑے گا۔ پس اس طرح برزخ بھی عظمت و شان مصطفیٰ ﷺ پر گواہ ہے۔

☆ عالمِ لاہوت و ملکوت بھی عظمت و شانِ مصطفیٰ ﷺ پر گواہ ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا جبرائیل امین بھی سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور عرض کیا: یا محمد مصطفیٰ ﷺ! میں اگر اس سے آگے بڑھا تو میرے پر جل جائیں گے۔ تاجدار کائنات ﷺ نے جبرائیل کو پیچھے چھوڑا اور اللہ کے

حضور اس کے دیدار کے لیے آگے بڑھ گئے۔ اس طرح آسمان، عالمِ ملکوت اور سدرۃ المنتہیٰ بھی عظمت و شانِ مصطفی ﷺ پر گواہ ہو گئے۔

☆ جنت بھی عظمتِ مصطفی ﷺ پر گواہ ہے اور کتب میں آتا ہے کہ جنت کی سب سے حسین مخلوق حور العین کے حسن کا راز یہ ہے کہ ان کی پیشانیوں پر اسمِ محمد ﷺ لکھا ہوا ہے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت میں ٹھہرایا تو انہوں نے جنت میں کوئی محل یا کوئی کمرہ ایسا نہیں دیکھا جہاں محمد (ﷺ) کا نام نہ لکھا ہو۔ حتیٰ کہ محمد (ﷺ) کا نام جنت کی حوروں کے سینوں اور پیشانیوں پر لکھا دیکھا، جنت کے محلات کی اینٹوں پر، طوبیٰ کے درختوں کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، پردوں کے اطراف پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اسے لکھا دیکھا۔

(تاریخ دمشق ابن عساکر، ۲۳: ۲۸۱)

آقا علیہ السلام کو بے شک اللہ رب العزت نے انبیاء کرام اور رسل عظام کی جماعت کا امام بنا کر پیدا فرمایا مگر آپ ﷺ کے معجزات نہ صرف تعداد بلکہ عظمت و شان میں بھی انبیاء کرام کے معجزات سے بڑھ کر ہیں۔ جو معجزات دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا ہوئے وہ تو تاجدار کائنات ﷺ کی امت کے اولیاء کو کرامتوں کی شکل میں عطا ہوئے۔ آپ ﷺ کی امت کے اولیاء کی کرامات بھی آقا علیہ السلام کی شان و عظمت کا اظہار ہے کہ جن کے خدام اور غلاموں کی شان کا عالم یہ ہے تو پھر ان کے آقا و مالک کی شان کا عالم کیا ہوگا۔

نعمتِ عظمیٰ پر اللہ کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکر

آقا علیہ السلام کی صورت میں جو نعمتِ عظمیٰ ہمیں حاصل ہے، اس عظیم نعمت کے ساتھ کچھ ذمہ داریاں بھی ہم پر عائد ہوتی ہیں کیونکہ قرآن مجید کا اصول ہے کہ جو اللہ رب العزت کی نعمت پر جتنا زیادہ شکر ادا کرتا ہے، اللہ رب العزت اس پر اپنی نعمتیں اسی قدر بڑھا دیتا ہے اور جو نعمتوں پر شکر نہیں کرتا، اللہ رب العزت اس کی نعمتیں کم کر دیتا ہے۔ اگر اللہ رب العزت نے ہمارے نصیب حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سے جگمگائے ہیں تو ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس کے حضور شکر بجا لائیں۔

شکر بجالانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ آقا علیہ السلام کی تمام تر تعلیمات پر کماحقہ عمل پیرا ہو جائیں۔۔۔ آقا علیہ السلام نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان سے رک جائیں۔۔۔ جن چیزوں کی آقا علیہ السلام نے تاکید فرمائی ہے، ان چیزوں کو زندگی کا حصہ بنالیں۔۔۔ ہر حرام سے بچتے رہیں اور ہر حلال کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔۔۔ اپنی زبانوں، نگاہوں اور سماعتوں کو پاک رکھیں۔۔۔ صبح و شام آقا علیہ السلام کی

تعلیمات سے اپنی زندگیوں کو رنگنے کی کوشش کریں۔۔۔ آقا علیہ السلام کی محبت میں جینا اور مرنا سیکھیں۔۔۔ اپنی زبان سے جھوٹ کو ہمیشہ دور رکھیں۔۔۔ اپنی عادات سے دھوکے کو ہمیشہ دور رکھیں۔۔۔ کسی کی چغلی نہ کریں، برا نہ سوچیں، گالی نہ دیں اور کسی سے نفرت نہ کریں۔۔۔ لوگوں کے لیے محبت پھیلانے اور ان کو امان فراہم کرنے کا ذریعہ بنیں۔۔۔ لوگوں کے لیے اچھا سوچیں اور اچھا کریں۔۔۔ آقا علیہ السلام کی تعلیمات کو عام کریں۔۔۔ کسی کو اپنے ہاتھ یا زبان سے تکلیف نہ پہنچائیں۔۔۔ ہمیشہ خیر کے عمل پر مصروف رہیں اور شریعت کے احکام و فرائض کی پابندی کریں۔

اگر ایسا کریں گے تو پھر ہم آقا علیہ السلام کی صورت میں حاصل نعمتِ عظمیٰ کا کچھ نہ کچھ شکر ادا کر رہے ہوں گے۔ مذکورہ تمام اعمال کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں سے ایک حصہ لازماً اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیں۔ ایسا کرنا آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں شکر ادا کرنا ہوگا۔ یہ عمل آقا علیہ السلام کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور آقا علیہ السلام کی اپنی حیات اس پر دلیل ہے۔ اللہ رب العزت نے آقا علیہ السلام کے دینِ متین کی صورت میں اتنی بڑی نعمت ہمیں عطا کر دی ہے کہ اگر ہم پھر بھی اپنی زندگی میں گم رہیں تو یہ شکر گزاری نہ ہوگی بلکہ اللہ کی اس نعمتِ عظمیٰ کی ناقدری ہوگی۔

دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے وقت نکالنا اور کاوشیں کرنے کا نہایت ہی مؤثر ذریعہ اللہ رب العزت نے اس دور میں تحریک منہاج القرآن کی شکل میں ہمیں عطا کیا ہے۔ مجددِ عصر شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے ذریعے ہمیں ایک ایسا پلیٹ فارم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے کہ جس میں دین کی خدمت بھی ہے اور ایمان کی تقویت بھی ہے۔۔۔ احوال و اعمال کی حفاظت بھی ہے اور نوجوان، کم عمر بچوں اور اگلی آنے والی نسلوں کے دین کی حفاظت بھی ہے۔۔۔ معاشرے کی خدمت و فلاحِ انسانیت بھی ہے اور دین کی تعلیم و تبلیغ بھی ہے۔۔۔ تصوف و روحانیت بھی ہے اور اصلاحِ احوال اور ایمان کی سلامتی بھی ہے۔ الغرض ہر شے اللہ رب العزت نے اس دور میں اس پلیٹ فارم کے ذریعے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تحریک منہاج القرآن کا جو پہلو ہمارے ذوق کے قریب تر ہو، اس پہلو سے وابستہ ہو جائیں اور اپنے روزانہ کے اوقات میں سے کم از کم ایک وقت اللہ کے دین اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ ایسا کرنا حقیقی معنی میں اس نعمتِ عظمیٰ پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا ہوگا اور اس کے نتیجے میں نہ صرف اللہ رب العزت ہمیں اپنی مزید نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا بلکہ ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے بھی توجہات اور فیوضات نصیب ہوں گے۔

انمول عشق اور بے مثل اطاعت

(حصہ دوم)

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے ایمان کی معنوی حلاوت اور باطنی مٹھاس پانے کے لیے جن خصائل و صفات کو ایک مومن کے لیے ضروری قرار دیا ہے ان میں سرِ فہرست یہ بات رکھی ہے کہ:

ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما

"اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔"

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان)

جس آدمی کے دل میں محبت رسول ﷺ کا کوئی جذبہ نہ ہوگا، اس کے لیے روزمرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہو جاتی ہے اور جتنا کچھ وہ کرتا بھی ہے تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی یا مجبوری کی سی ہوتی ہے جبکہ قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کے لیے اس اعزاز اور توقیر و اکرام کا طالب ہے جو قلب کی گہرائیوں کی پیداوار ہو۔ قرآن مجید آپ ﷺ سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے، آپ ﷺ کی صرف اس اطاعت پر راضی نہیں جو جذباتِ محبت اور تعظیم سے خالی ہو جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ اور دوسرے فوجی و سول لیڈروں کے ساتھ عوام کا ایک رسمی یا مجبوری کا تعلق ہوتا ہے۔ قرآن مجید صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کی ادائیگی ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس کا مطالبہ ہے:

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ (الفتح:9)

”تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ کے دین) کی مدد کرو اور آپ (ﷺ) کی بے حد تعظیم و تکریم کرو۔“

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اسی رشتہ محبت و عشق میں بندھے ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حبِّ مصطفی ﷺ پر مبنی چند واقعات کا مطالعہ ہم اس تحریر کے پہلے حصہ (شائع شدہ جولائی 2025ء) میں کر چکے ہیں، مزید چند واقعات ملاحظہ ہوں:

ا۔ دیدارِ رسول ﷺ کے لیے بے چینی

محبوب کی زیارت کی دلی تمنا، اس کے دیدار کا ہمہ وقت شوق، اس کی جدائی برداشت نہ کر سکنا اور غمِ فراق میں دنیا کی ساری لذتیں بھول جانا، حقیقی محبت کی ایک واضح نشانی ہے۔ محبت کی اس علامت کی روشنی میں جب ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دیدارِ رسول ﷺ کے بغیر دنیا میں چین تھا، نہ آخرت میں ہوگا۔ حضور ﷺ کا نورانی و مبارک چہرہ دیکھنے سے انہیں سارے غم بھول جاتے تھے۔ دیدارِ رسول ﷺ کے لیے اس طرح کی بے قراری کی چند ایمان افروز جھلکیاں ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

(ا) دیدارِ رسول ﷺ کے بغیر چین نہ آنا

حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلاموں (موالی) میں ایک نام حضرت ثوبان بن بجدد (م ۵۴ھ) کا بھی ملتا ہے یہ حضور ﷺ کے ساتھ شدید محبت رکھتے تھے۔ کچھ دیر آپ ﷺ کو نہ دیکھتے تو بے چین ہو جاتے تھے۔ سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ موت کے بعد حضور ﷺ کا دیدار نہ کر سکنے کے خوف کی وجہ سے ان کا رنگ اڑ گیا اور جسم لاغر ہو گیا تھا۔ ایک دن یہ عاشق بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مجھے میری جان اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ جب کبھی میں اپنے غریب خانے میں ہوتا ہوں اور آپ ﷺ کی یاد آتی ہے تو مجھے اس وقت تک چین نہیں آتا، جب تک آپ ﷺ کا دیدار نہ کر لوں۔ اب مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا ہے کہ مرنے کے بعد میں تو پتہ نہیں جنت کے کس گوشے میں ہوں گا اور آپ ﷺ یقیناً انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جنت کے اعلیٰ اور بلند مقامات پر فائز ہوں گے تو میں آپ ﷺ کا دیدار کیسے کر سکوں گا؟! اگر روئے تاباں کی زیارت نہ ہوئی تو میرے لیے جنت کی ساری لذتیں ختم ہو جائیں گی۔ فراق و ہجر کا یہ جانکاہ صدمہ اس دلِ ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا۔

علماء (قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۵: ۲۷۱) نے لکھا ہے کہ یہ سن کر حضور ﷺ خاموش ہوگئے۔ اتنے میں جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور ثوبان جیسے اہلِ محبت اور اطاعت گزاروں کو من جانب اللہ یہ مژدہ سنایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (النساء: ۶۹)

”اور جو کوئی اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔“

☆ دوسری حدیثِ پاک میں ہے ایک صحابی جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو ٹکٹکی باندھ کر حضور ﷺ کا رخِ انور دیکھتے رہتے اور آنکھ تک نہ جھپکتے۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا: مَالَكَ؟ کیا بات ہے؟

عرض کیا: میرا باپ اور میری ماں آپ ﷺ پر قربان، جب دل اداس ہوتا ہے تو حضور ﷺ کے رخِ انور کو دیکھ دیکھ کر اس کو تسلی دلاتا ہوں لیکن جب قیامت کا دن ہوگا، حضور ﷺ کا مقام بڑا اعلیٰ و ارفع ہوگا، میں کیونکر حضور ﷺ کا دیدار کرسکوں گا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من احبنی کان معی فی الجنة۔ (قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۲۰)

”جو میرے ساتھ محبت کرتا ہوگا، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“

(۲) حضور ﷺ کے دیدار اور آمد پر اہلِ مدینہ کی خوشی

حضور ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ کی طرف نکلے تو اس بات کی اطلاع اہلِ مدینہ کو ہوچکی تھی، چنانچہ وہ روزانہ صبح مقامِ حرہ تک آتے اور حضور ﷺ کا انتظار کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ دوپہر کی سخت گرمی انہیں واپس لوٹنے پر مجبور کردیتی۔ ایک دن طویل انتظار کے بعد جب یہ حضرات (حسبِ معمول) واپس لوٹ گئے اور اپنے گھروں میں داخل ہوچکے تو ایک یہودی نے اپنے ایک قلعہ پر سے بغور دیکھا تو اسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی نظر آئے جو اس وقت سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور بہت دور تھے۔ وہ یہودی بے اختیار چلا اٹھا اور باآواز کہا: اے معاشر عرب! تمھارے وہ بزرگ آگئے، جن کا تمھیں انتظار تھا۔ مسلمان ہتھیار لے کر دوڑ پڑے اور حضور ﷺ کے مقامِ حرہ پر پہنچنے سے پہلے استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ داہنی طرف کا راستہ اختیار کیا

اور بنی عمرو بن عوف (قبا) میں قیام کیا۔ (بخاری، الصحیح، کتاب المناقب باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ، ۱: ۵۵۴۔۵۵۵)

حضور ﷺ نے یہاں تقریباً دس دن قیام فرمایا، مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے باوفا لوگوں نے اہتمام، اشتیاق، سج دھج اور والہانہ انداز میں اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کا استقبال کیا۔ حد درجہ مسرت وانبساط اور انتہائی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ہر آدمی اپنا سر اور اپنی آنکھیں بلکہ اپنا دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھا۔ اس کی نظیر آسمان نے آج تک نہیں دیکھی۔ مدینہ کی تاریخ میں یہ عجیب ومبارک دن تھا۔ بنو نجار اور تمام انصار ہتھیاروں سے آراستہ دورویہ صف بستہ کھڑے تھے۔ رؤسا اپنے اپنے محلوں میں قرینے سے کھڑے تھے، پردہ نشین ایک جھلک نبوی ﷺ دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئی تھیں اور مدینہ کے حبشی غلام جوشِ مسرت میں اپنے اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جتنے جوش میں اہلِ مدینہ کو اس دن میں نے دیکھا پھر کبھی نہ دیکھا۔

(حلبی، سیرت حلبیہ، ۲: ۲۳۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ اس دن جیسا منظر ہم نے کبھی نہ دیکھا تھا، خواتین اور بچیوں کی زبان پر محبت بھرا گیت تھا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(شامی، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۳: ۳۸۶)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرتِ نبوی کا واقعہ اور ورودِ مدینہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فصعد الرجال والنسآء فوق البیوت وتفرق الغلمان والخدم فی الطرق ینادون یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔ (مسلم، الجامع الصحیح، ۲: ۴۱۹)

”مرد اور ساری عورتیں (حضور ﷺ کے چہرہ انور کا دیدار اور ایک جھلک دیکھنے کے لیے) گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ جبکہ تمام لڑکے اور خادم سارے رستوں میں پھیل گئے۔ اور ”یا محمد ﷺ یا رسول اللہ ﷺ، یا محمد یا رسول اللہ ﷺ“ کے (ایمان افروز) نعرے لگا رہے تھے۔“

ایک دوسری روایت کے مطابق خادم اور بچے کہہ رہے تھے:

اللہ اکبر جاء نا رسول اللہ، جاء نا محمد ﷺ۔ (الصالحی الشامی، سیرۃ شامی، ۳: ۳۸۶)

مدینہ منورہ کے ہر چھوٹے بڑے گھرانے کی یہ زبردست خواہش تھی کہ حضور ﷺ ان کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں اور انھیں اولین مہمان نوازی کا شرف بخشیں۔ حضور ﷺ اونٹنی پر سوار تھے۔ بنو سالم بن عوف کے سر کردہ لوگ سامنے کھڑے ہو گئے اور مہمان نوازی قبول کرنے کی پر خلوص دعوت پیش کی مگر آپ ﷺ کسی بھی محب و مخلص کی دل شکنی نہیں فرمانا چاہتے تھے، فرمایا:

خلوا سبیلها فانها مامورة۔۔۔ بارك الله علیكم۔

’’اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے اللہ تمھیں برکت دے (جہاں اللہ کا حکم ہو گا وہاں خود بخود بیٹھ جائے گی)۔‘‘

آگے چلے تو بنی بیاضہ نے اسی طرح مہمان نوازی کی مخلصانہ پیشکش کی مگر آپ ﷺ نے انھیں بھی وہی جواب دیا جو بنو سالم کو دیا تھا۔ بنو ساعدہ، بنو عدی بن النجار اور بنو مالک بن النجار، سب نے باری باری اپنے ہاں ٹھہرانے کی خواہش کا اظہار کیا مگر آپ ﷺ نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ یہ اونٹنی من جانب اللہ مامور ہے۔ اونٹنی جب اس مبارک مقام پر پہنچی، جہاں آج مسجد نبوی ہے تو از خود بیٹھ گئی۔ سامنے ایک غریب صحابی حضرت ابوایوب خالد بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ کا غریب خانہ تھا۔ انھوں نے کجاوے سے سامان اٹھایا اور گھر لے گئے۔ اب آپ ﷺ نے سب سے فرمایا: المرء مع رحله۔

انسان اپنے سامان اور کجاوے کے ساتھ جاتا ہے۔

اور یوں مہمانداری کا شرف حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے حصے میں آگیا۔ (حلبی، سیرت حلبیہ، ۲: ۲۴۸)

۲۔ یادِ رسول اللہ ﷺ میں آنسو امڈ آنا

حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی والہانہ عقیدت اور شدتِ محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب آپ ﷺ کا نام نامی ان کی زبانوں پر آتا یا تذکرہ ہوتا تو اکثر اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکتے اور آپ ﷺ کی یاد میں رونے لگتے۔ ذیل میں اس شدتِ محبت اور وفورِ جذبات کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) فاقہ نبوی ﷺ کی یاد میں رقت طاری ہو جانا

عشرہ مبشرہ میں داخل خوش نصیب اور جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نوفل بن ایاس الھذلی کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہمارے ہم مجلس (دوست تھے) اور کیا ہی بہترین ہم مجلس تھے۔ ایک دن وہ (از راہِ خلوص و محبت) ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ جب ہم ان کے دولت کدہ پر پہنچے تو وہ اندر (زنان خانہ میں) داخل ہوئے، غسل کیا اور پھر ہمارے پاس تشریف

لائے۔ اسی دوران ہمارے پاس کھانے کا ایک بڑا پیالہ لایا گیا۔ جس میں روٹی اور گوشت تھا۔

جب یہ پیالہ (دستر خوان پر) رکھا گیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ تو میں (نوفل بن ایاس) نے ان سے کہا: اے ابو محمد! یہ رونا کیوں اور کیسا؟ فرمایا سرور کونین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حال میں دنیا سے رحلت فرمائی تھی کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت نے جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی تھی (دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی ”کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا“ والی کیفیت یاد آگئی تھی جبکہ ہمارے سامنے اس وقت پر تکلف کھانا رکھا جا رہا ہے)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اتنے دنوں تک زندہ رہنے میں کوئی بھلا نظر نہیں آتا۔

(ترمذی، شمائل، بمع جامع، باب فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۵۹۹)

☆ حضرت مسروق علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے میرے لیے کھانا منگوایا اور فرمایا: میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی مگر رونے کو دل چاہتا ہے، پس رونے لگتی ہوں۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیوں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے وہ حالت (فقر و تنگدستی) یاد آجاتی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے مفارقت فرمائی۔ اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ روٹی پیٹ بھر کر کھائی اور نہ ہی گوشت۔ (ترمذی، الشمائل، باب ماجاء فی صفۃ خبز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۵۷۸)

(۲) راتوں کو یادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عبدہ بن خالد بن معدان سے مروی ہے، آپ کہتی ہیں کہ میرے باپ خالد اس وقت تک بستر پر آرام نہیں کرتے تھے جب تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جی بھر کر یاد نہیں کر لیا کرتے تھے۔ آپ علیہ الرحمہ مہاجرین وانصار کے نام لے کر یاد کرتے تھے۔ وہ فرماتے: ھم اھلی و فخری

وہ میرے اہل خانہ اور میرا سارا ناز ان پاک لوگوں پر ہے، ان کے دیدار کے لیے میرا دل تڑپتا ہے اور میرا شوق بڑھتا ہے۔

آپؒ یہ دعا مانگتے: **فجعل رب قبضی الیک۔**

یااللہ مجھے جلدی جلدی اپنے پاس بلا لے تاکہ میں محبین مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کر سکوں۔ یہی کہتے کہتے ان پر نیند غالب آجاتی اور وہ سو جاتے۔ (قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ۳: ۳۰۶۔۳۰۷)

۳۔ تعظیم و توقیرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محبوب کے لیے تعظیم، توقیر، تکریم، تقدیس، احترام اور اس کی عظمت و رفعتِ شان اور محاسن و

کمالات کا اعتراف محبت کا خاصہ ہے۔ پھر رسولِ محتشم و معظم ﷺ کی انتہائی تعظیم و توقیر تو قرآن کا لازمی مطالبہ بھی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو جو عظمت و شان، جو بلند مرتبہ ومقام اور جو بے شمار صوری و معنوی محاسن و کمالات اور پیغمبرانہ فضائل و مناقب عنایت فرما رکھے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کا بھی ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ ان تمام چیزوں کی موجودگی میں کیسے ممکن تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی حد درجہ تعظیم و توقیر نہ کرتے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی جس طرح دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تعظیم کرتے تھے، دنیا کے بڑے سے بڑے آدمی کی آج تک اتنی تعظیم نہیں کی گئی۔ آئندہ سطور میں ہم اس تعظیمی اندازِ محبت کے چند ایمان افروز مظاہر اور جھلکیاں دکھانے کی کوشش کرتے ہیں:

(ا) تعظیمِ رسول ﷺ کے باعث نظریں جھکائے رکھنا

تعظیمِ رسول ﷺ کا ایک منفرد، نرالا اور ایمان افروز انداز یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نظر اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنا بھی بے ادبی خیال کرتے تھے اور جب بارگاہ نبوی ﷺ میں بیٹھتے تو یوں بے حس و حرکت بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس انوکھے انداز تعظیم کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

ابو شماسہ المھری بیان کرتے ہیں کہ ہم معروف صحابی حضرت عمرو بن العاص بن وائل السہمی (امیر مصر) کی وفات کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبولِ اسلام کا تفصیلی واقعہ سناتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات والا شان سے بڑھ کر کوئی آدمی میرے نزدیک محبوب نہ تھا اور نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا فرد میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے بڑھ کر بزرگ و برتر اور لائقِ تعظیم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تعظیم نبوی ﷺ کی خاطر میں آپ ﷺ کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اگر کوئی آدمی مجھ سے یہ سوال کرے کہ میں آپ ﷺ کا وصف یعنی حلیہ اور خدوخال بتاؤں تو میں نہیں بتا سکوں گا کیونکہ تعظیمِ نبوی ﷺ کے باعث میں نے کبھی آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ وکذا الحج والعمرۃ)

☆ امام ترمذی نے خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کے پاس تشریف لے آتے اور وہ بیٹھے ہوتے جن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تو ان میں سے کوئی صحابی از راہِ تعظیم آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، سوائے حضرت شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے کہ وہ آپ ﷺ کی طرف نظرِ عقیدت سے دیکھتے اور آپ ﷺ ان کی طرف نظرِ رحمت فرماتے۔ اسی

طرح وہ دونوں آپ ﷺ کو دیکھ کر تبسم فرماتے اور آپ ﷺ ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے۔
(ترمذی، جامع ابواب المناقب باب مناقب ابی بکر الصدیق)

☆ صحابی رسول حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ یوں بے حس و حرکت بیٹھے ہیں کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور ایک حدیث میں یوں بیان ہوا ہے کہ جب آپ ﷺ گفتگو اور کلام فرماتے تو حاضرین (صحابہ) اپنے سروں کو یوں جھکا لیتے اور یوں توجہ سے سنتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ (ترمذی، الشمائل، باب ماجاء فی الخلق الرسول ﷺ، ص: ۵۹۸)

واضح رہے تعظیم و تکریم رسول ﷺ کا یہ انداز صرف آپ ﷺ کی ظاہری زندگی اور بنفسِ نفیس موجود ہونے کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ قسطلانی کے الفاظ میں ”آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی آپ ﷺ کا ذکر کرتے تو (غایت تعظیم میں) ان کے جسم جھک جاتے، جسموں پر کپکپی طاری ہو جاتی (رونگٹے کھڑے ہو جاتے) اور بے ساختہ رونے لگتے تھے۔“
(قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ۳: ۳۰۴)

(۲) حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنے پر اظہارِ غصہ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے سنا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (کسی گھریلو مسئلہ میں حضور اکرم ﷺ سے) اونچی آواز میں بول رہی تھیں۔ جب اندر داخل ہوئے تو شدتِ جذبات میں بیٹی کی اس جسارت پر اسے ایک طمانچہ مارنا چاہا اور کہا کہ حضور ﷺ سے اونچی آواز میں گفتگو کرتی ہو؟ مگر حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی غصے میں باہر نکل گئے۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ چلے گئے تو حضور ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: دیکھا! میں نے تمہیں اس آدمی (تمہارے باپ) سے کیسے بچایا؟ چند دنوں کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دوبارہ کاشانہ نبوی ﷺ پر آئے تو دیکھا کہ میاں بیوی کے درمیان صلح ہو چکی ہے۔ کہنے لگے کہ آپ دونوں نے جس طرح مجھے اپنی لڑائی میں داخل کیا تھا، اپنی صلح میں بھی کر لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم نے داخل کر لیا، داخل کر لیا۔

(ابو داؤد، السنن، باب ماجاء فی المزاح، ۲: ۶۸۲)

(۳) تعظیمِ رسول ﷺ کے باعث سوال سے ڈرنا

تعظیم و ہیبت رسول کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینی مسائل کے بارے میں بھی آپ ﷺ سے

سوال کرنے سے ڈرتے تھے۔ چنانچہ اعلانِ نبوت کے بعد حضور ﷺ کے وصال تک تئیس سالوں میں صحابہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول آپ ﷺ سے صرف تیرہ یا چودہ سوالات کیے تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں یسئلونك کے لفظ سے کیا گیا ہے۔

(القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۳: ۴۰)

اس مثالی اندازِ تعظیم کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ایک جاہل اعرابی (بدوی) سے کہا کہ تم حضور ﷺ سے قرآنی آیت: من قضی نحبہ (جس نے اپنی نذر پوری کردی۔ سورۃ الاحزاب: ۲۳) کے حوالے سے دریافت کرو کہ یہ کون آدمی ہیں؟ اور (سوال کے لیے اعرابی کو واسطہ بنانے کی وجہ یہ تھی کہ) وہ آپ ﷺ سے سوال کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ حضور ﷺ سے ڈرتے اور آپ ﷺ کی غایت درجہ تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ اعرابی نے حضور ﷺ سے یہ (مذکورہ) بات پوچھی تو آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا۔ اس نے دوبارہ پوچھا تو بھی آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا (کوئی جواب نہ دیا)۔ پھر اتفاق سے میں (طلحہ) مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور اس وقت میرے جسم پر سبز کپڑے تھے۔ جب حضور ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: جس سائل نے من قضی نحبہ کے بارے میں سوال کیا تھا، وہ کہاں ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (طلحہ) ان (خوش نصیب) آدمیوں میں سے ہے جنھوں نے (ارشادِ الٰہی کے مطابق) اپنی نذر پوری کرلی۔

(قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۳۹۔۴۰)

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ سے ایک معاملے میں سوال کرنا چاہتا تھا تو حضور ﷺ کی ہیبت کے باعث کئی سال تک اس سوال کو مؤخر کیے رکھا۔

(قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۴۰)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید میں اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم (بلا ضرورت) کسی چیز کے بارے میں نبی محتشم ﷺ سے سوال کریں، اس لیے ہمیں یہ بات اچھی لگتی تھی کہ بدوی (دیہاتی) لوگوں میں سے کوئی عقل مند آدمی آئے اور وہ حضور ﷺ سے سوال کرے اور ہم سنتے رہیں۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بدوی لوگوں میں سے ایک آدمی کی آمد کا ذکر کیا ہے جس نے بے دھڑک اور سیدھے انداز میں حضور ﷺ سے پہلے اللہ کریم کے خالقِ کائنات ہونے اور آپ ﷺ کے رسول ہونے کی تصدیق کی، پھر ارکانِ اربعہ کی فرضیت و لزوم کے بارے میں چند سوالات کیے اور نبی رحمت ﷺ نے جوابات مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد وہ جانے کے لیے کھڑا ہوا اور کہا:

”اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں ان احکام (ارکان) پر زیادتی کروں گا اور نہ ان میں سے کوئی چیز گھٹاؤں گا۔“

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ”اگر اس نے سچ کہا (اپنی بات پر قائم رہا) تو ضرور بالضرور جنت میں داخل ہو گا۔“

(مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، ۱: ۳۰۔۳۱)

(۴) خونِ نبوی ﷺ زمین پر گرانے کی بجائے پی لینا

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک موقع پر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ پچھنے لگوا رہے تھے۔ حضور ﷺ پچھنے لگوانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور کسی ایسی جگہ گرا دو جہاں تجھے کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ حضرت عبداللہ، حضور ﷺ کے ہاں سے اوجھل ہوئے تو خونِ نبوی ﷺ کو زمین پر گرانے کی بجائے پی لیا۔ جب واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے پوچھا، عبداللہ! تو نے خون کا کیا کیا؟ انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے اسے ایسی مخفی جگہ پر رکھا ہے کہ وہ یقیناً تمام لوگوں سے پوشیدہ رہے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: لگتا ہے کہ تم نے اسے پی لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ! اب تجھے دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی اور ان کے سر پر دستِ شفقت بھی پھیرا۔ (بدران، تہذیب تاریخ دمشق، ۷: ۴۰۱)

حضرت ابوموسیٰ ابوعاصم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ میں جو غیر معمولی قوت و طاقت تھی وہ اسی خون نبوی ﷺ کی برکت سے تھی۔ (ابن حجر، الاصابہ، ۴: ۷۰)

☆ غزوہ احد کے دن جب حضور ﷺ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا اور اس پر خون لگا تھا تو اسی دوران حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت مالک بن سنان آگئے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر اپنے منہ (زبان) کے ذریعے چہرہ نبوی ﷺ پر لگے خون کو چاٹ لیا پھر اسے نگل گئے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اس خوش نصیب آدمی کو دیکھے جس کے خون کے ساتھ میرا خون شامل (خلط ملط) ہو گیا ہے تو وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔“ (الحاکم، المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابہ، ۳: ۵۶۳۔۵۶۴)

حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادب کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزید واقعات ان شاءاللہ آئندہ شمارہ میں بیان کیے جائیں گے۔

(جاری ہے)

حضور غوث الاعظمؒ کا مقامِ ولایت و معرفت

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

”خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگیں ہوں گے۔“ (یونس، ۱۰: ۶۲)

اللہ تعالیٰ جن ہستیوں کو منصبِ ولایت پر فائز کرتا ہے، انھیں لاخوف اور لاحزن کے انعامات عطا کرتا ہے۔ وہ اپنی تمام حیاتِ ظاہری ایسی کیفیات میں گزارتے ہیں کہ ہر دم اور ہر پل اللہ رب العزت کی صفات کے رنگ میں رنگے رہتے ہیں۔ معرفتِ الٰہیہ میں ان کا سفر ہر گام آگے بڑھتا رہتا ہے اور وہ قربتِ الٰہیہ کی منازل تیزی سے طے کرتے جاتے ہیں۔ ان کا قلب و باطن ہر وقت ذکرِ مولا سے آباد رہتا ہے اور ان کی زبان ہر لحظہ یادِ مولا سے تر رہتی ہے۔ وہ اطاعت کی وادی سے کبھی دوری اختیار نہیں کرتے اور وادئ معرفت و قربت کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں۔

امام ابوالقاسم، الرسالہ القشیریہ میں بیان کرتے ہیں:

علامة الولی ثلاثة شغله بالله تعالیٰ وفراره الی الله تعالیٰ وهمه الی الله عزوجل۔ (القشیری، الرسالۃ القشیریہ، ۲۶۳)

”ولی کی تین نشانیاں ہیں: اس کا دل اللہ کے ساتھ شاغل رہے، اس کا ہر عمل اللہ کی طرف بھاگے اور اس کے نفس کی ہر کاوش اور عزم و ہمت اللہ کے لیے ہو۔“

گویا کسی بھی بندے میں ولایتِ الٰہیہ کا رنگ تب چڑھتا ہے جب اس کا ظاہر و باطن ہمیشہ اللہ کے ساتھ شاغل رہے اور کسی اور کے ساتھ مشغول ہونا اس کی ترجیح نہ ہو۔ اس طرح وہ اللہ کے ساتھ شاغل ہو کر مخلوق میں مشغول ہونے سے بچ جائے گا اور بہت سے رزائلِ اخلاق سے اُسے نجات مل جائے گی۔ اسی طرح ولایت کی شان کا حامل بندہ زھد عن الدنیا کی وصف سے متصف ہو، اس کا دل ہر شے میں اللہ کی طرف بھاگنے والا ہو، وہ ماسوا اللہ سے قطع تعلق ہو اور اس کے دل کا ربط اللہ سے قائم ہو۔ ولایت کی شان کی حامل ذات کا ارادہ اور اس کی ہر ہمت کی جہت مولا کی طرف ہو، اس کے ہر فکر و خیال اور قول و عمل کا رخ اللہ کی جانب ہو تو یہ ساری نشانیاں اس کے وجود میں جمع ہو کر اسے منصبِ ولایت کا مستحق بنا دیتی ہیں۔

ولایت کی شان کا حامل ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ بندگی کا کمال اور شانِ بندگی کا افتخار ہے۔ جب بندہ اس مقامِ ولایت پر پہنچتا ہے تو اس کی پہچان اخلاقِ الٰہیہ کے اپنانے اور صبغۃ اللہ میں خود کو ڈھالنے سے ہونے لگتی ہے۔ اگر اس کے اخلاق پر نظر کرو تو وہ بندہ تخلقوا باخلاق اللہ کا پیکر نظر آتا ہے۔۔۔ اس کی صفات اور خوبیوں کو دیکھو تو وہ صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔۔۔ وہ من احسن من اللہ صبغۃ کا نور اپنے وجود میں منعکس کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جب بندے کا ظاہر اور باطن مولا کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور دل کے مسکن میں اس کا اصل مکین آباد ہو جاتا ہے تو اب دیکھنے میں بظاہر وہ بندہ نظر آتا ہے مگر وہ اپنا سب کچھ اپنے مولا کے سپرد کر چکا ہوتا ہے۔

وافوض امری الی اللہ کی شانِ تفویض اس کا امتیاز بن چکی ہوتی ہے۔۔۔ وہ فنائے نفس سے بقائے مولا کی جانب رختِ سفر باندھ چکا ہوتا ہے۔ ایسا نفس اللہ کی طرف کامل رجوع کر چکا ہوتا ہے۔ الغرض مقامِ ولایت میں بندہ اپنے نفس اور اس کے عوارض سے چھٹکارا پا کر اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور قد افلح من زکھا کا پیکر بن جاتا ہے۔ وہ یایتھا النفس المطمئنۃ کا علمبردار ہو جاتا ہے۔ اب اس کے من میں رب کے ڈیرے ہیں، اب وہی بندے کے لیے ہر معاملے میں کفیل ہو جاتا ہے اور وہی بندے کے لیے کافی و شافی ہو جاتا ہے۔

حضور غوث الاعظم کی شانِ علم و معرفتِ الٰہیہ

قرآن مجید میں باری تعالیٰ اپنے ولی صفت بندوں کی علامت کا ذکر فرماتے ہوئے اُن کی شانِ علم کو اُن کا امتیاز قرار دیتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے حوالے سے فرمایا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (الکہف، ۱۸: ۶۵)

”حضرت موسیٰؑ اور ان کا غلام تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضرؑ) کو پالیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے علمِ لدنی (یعنی اَسرار و معارف کا اِلہامی علم) سکھایا تھا۔“

ولی کی شناخت اور منصبِ ولایت کی علامت یہ بتائی جا رہی ہے کہ اللہ کا ولی اللہ کی رحمت کے خزانے کا حامل ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہِ خاص سے علمِ لدنی کی نعمت عطا کرتا ہے۔

سلسلۂ اولیاء کے سردار محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی، غوث الثقلین حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کو باری تعالیٰ نے خلعتِ ولایت سے نوازا اور آپ کی ذاتِ اقدس کو اپنی عطاؤں کا مھبط، اپنی عنایتوں کا مرکز اور اپنی تجلیات اور صفات کا مظہرِ کامل بنایا۔ آپؓ کو باری تعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاص سے نوازا اور اپنے علمِ لدنی کا حامل بنایا۔ وعلمناہ من لدنا علما کا فیض ان کی ذات میں اس طرح جاری کیا کہ آپ خود اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتے ہیں:

درست العلم حتی صرت قطبا ونلت السعد من مولی الموالی.

(صحیفہ غوثیہ شرح قصیدہ غوثیہ، شارح مولانا قلندر علی، ص: ۱۹۳)

”میں نے علم حاصل کیا یہاں تک قطب بن گیا اور یہ سعادت مجھے اللہ کے فضل سے حاصل ہوئی ہے۔“

علم کا منتہی اور علم کا مقصود اللہ کی معرفت اور قربت ہے اور اسی علم کو علمِ نافع کہا جاتا ہے اور اسی کی تحصیل اہل اللہ پر لازم ہے۔ جب علمِ لدنی کا چشمہ حضور غوث الاعظمؒ کے وجودِ اقدس میں جاری ہوا تو ظاہری علم والے اس کے نظارے سے انگشت بدنداں ہو جاتے تھے اور حیرت و استعجاب کی کیفیات ان پر طاری ہو جاتی تھیں۔ جوں جوں اس علمِ لدنی کا اظہار بڑھتا جاتا، وہ حیرتوں کے سمندر میں مستغرق ہوتے رہتے۔ حضور غوث الاعظم کی شانِ علم و معرفت کو کبار ائمہ کرام نے اپنے اپنے انداز سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ذیل میں حضور غوث الاعظم کے حوالے سے چند ائمہ کے اقوال اور اُن کے آنکھوں دیکھے احوال کو درج کیا جاتا ہے:

۱۔ امام ابن جوزی محبوب سبحانی، قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی کی شانِ علم کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ آپ نے ایک مجلس میں ایک آیت کریمہ کی چالیس تفسیریں بیان کیں۔ مجھے صرف اس کی بارہ تفسیروں کا علم تھا جبکہ حضور غوث الاعظم نے اس کی چالیس تفاسیر بیان فرمائیں اور پھر بھی سلسلۂ تفسیر نہ رکا بلکہ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الآن نرجع من القال الی الحال۔

”اب ہم قال کو چھوڑ کر حال کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔“

امام ابن جوزی بیان کرتے ہیں کہ جب تک قال کی تفسیر رہی، مجمع اپنے قابو میں رہا اور جب حال کی تفسیر کا آغاز ہوا تو اب مجمع پر بھی حال کی کیفیت طاری ہو گئی۔ پورا مجمع تڑپ اٹھا اور ہر طرف آہ و زاری اور سوز و گداز کی کیفیات نے اپنا ڈیرہ جما لیا۔ امام ابن جوزی بھی ان کیفیات سے الگ تھلگ نہ رہ سکے۔ ان کو بھی حال کی کیفیت نے بے خود کیا اور عجب لذت و سرور اور وجد کے عالم میں تڑپتے رہے۔

۲۔ امام یافعی فرماتے ہیں:

اجتمع عنده من العلماء والفقهاء والصلحاء جماعة كثيرون انتفعوا بكلامه وصحبته ومجالسته وخدمته وقاصد اليه من طلب العلم من الآفاق۔

(یافعی، مراۃ الجنان، ۳: ۲۵۴)

آپ کی مجلسِ علم میں علماء، فقہاء اور صلحاء کی کثیر تعداد آپ کے کلام اور بیان کو سننے، آپ کی صحبت و سنگت کی برکت حاصل کرنے، آپ کی مجلس سے مستفید ہونے اور آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتی۔ آپ کے علم سے مستفید اور مستنیر ہونے کے لیے بے شمار طالبانِ حق کل آفاق سے دور دراز کے سفر کر کے حاضر ہوتے تھے۔

۳۔ امام ابن حجر عسقلانی (مناقب الشیخ عبد القادر جیلانی) بیان کرتے ہیں کہ حضور غوث الاعظمؒ کی مجلس میں ستر ہزار کا مجمع ہوتا تھا اور جس طرح آپ کی آواز کو پہلی صف والے سنتے تھے، اسی طرح آخری صف والے بھی آپ کی آواز سماعت کرتے تھے۔ آپ ہر روز علمِ تفسیر، علمِ حدیث اور علمِ فقہ سمیت تیرہ علوم کا درس دیتے تھے۔ ہر سال تین ہزار طلبہ آپ کے حلقۂ درس سے محدث بن کر نکلتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے لشکر میں آپ کے طلبہ بطور سپاہ شامل تھے جو رات کو اللہ کے حضور عبادات میں ہوتے اور دن کو مجاہد اور عظیم پیکر جہاد تھے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی ایک طرف سلطان صلاح الدین کے دست راست تھے تو دوسری طرف محبوب صمدانی کے شاگرد بھی تھے۔ اسی طرح علامہ عبد الغنی المقدسی حنبلی بھی آپ کے شاگرد تھے۔

۴۔ علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب الاستقامۃ میں شیخ عبد القادر جیلانی کی ذات کو بڑے شاندار اور زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

قطب العارفين ابا محمد بن عبد القادر بن عبد الله الجيلي۔ (ابن تیمیہ، الاستقامہ، ص ۴۳)

علامہ ابن تیمیہ کے قلم نے یہ اسلوب صرف اور صرف حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے لیے ہی اختیار کیا ہے، کسی اور کو یہ شرف اور یہ رفعت نہیں دی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب وہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو علم الکلام میں امام الحرمین جوینی

کی الارشاد اور امام شہرستانی کی نہایۃ الاقدام پڑھنے کے حوالے سے متذبذب ہوئے تو ان کے چچا شیخ نجیب الدین سہروردی ان کو لے کر شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا:

جو کتابیں تم پڑھنا چاہتے ہو، یہ قبر میں کام نہ آئیں گی۔ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا، آپ نے میرے قلب کا حال جان کر تصحیح کر دی۔ پس میں نے توبہ کرلی۔ اس کے بعد علامہ ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں:

ان الشیخ کاشفہ بما کان فی قلبہ۔

قطب العارفین شیخ عبدالقادر جیلانی نے کشف کے ذریعے ان کی دل کی بات کو جان لیا۔

★ حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے مقامِ علم اور معرفت و قربت کے سبب دیگر سلاسلِ طریقت کے بانیان اور برصغیر کے ممتاز علماء و اولیاء بھی اپنے اپنے زمانے میں شاہ جیلاں سے اپنی محبتوں اور عقیدتوں کا تذکرہ کچھ یوں کرتے رہے ہیں:

۱۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی، شاہ جیلاں کو غوث معظم، نور ھدی، مختار نبی، مختار خدا، قطب الاقطاب اور سلطان دو عالم کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔

۲۔ شہنشاہ نقشبند خواجہ بہاؤالدین نقشبند آپ کو بادشاہ ہر دو عالم کہتے ہوئے یوں آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

بادشاہ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است

۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کو غوث اعظم، دلیل راہ یقیں اور رہبر اکابر دیں، در ہمہ اولیا ممتاز کے منفرد اسلوب اور محبت آمیز کلمات کے ساتھ کرتے ہیں اور یوں اظہار کرتے ہیں:

غوث اعظم دلیل راہ یقیں
بایقیں رہبر اکابر دیں
اوست در جملہ اولیا ممتاز
چوں پیمبر در انبیا ممتاز

۴۔ شیخ ابوالمعالی آپ کی محبت میں ڈوب کر آپ کا تذکرہ حسین یوں کرتے ہیں کہ اگر معرفتِ خدا اور قربتِ مولا چاہتے ہو تو آپ کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ فرماتے ہیں:

گر کسے واللہ بعالم از مئے عرفانی است
از طفیل شاہ عبدالقادر گیلانی است

۵۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی شاہ جیلاں کے حضور اپنا نذرانہ عقیدت یوں پیش کرتے ہیں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

۶۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی فرماتے ہیں:

سگ درگاہ میراں شو چوں خواہی قرب ربانی
کہ بر شیراں شرف دارد سگِ درگاہِ جیلانی

آپ کا فیض روحانی ایک سمندر کی طرح جاری و ساری ہے۔ عارفانِ حق اس امر سے خوب آگاہ ہیں اور اس کا اعتراف و اظہار برملا کرتے بھی ہیں۔ آپ کی حیاتِ ظاہری میں بھی وہ معترف رہے ہیں اور آج حیاتِ روحانی میں بھی ہر اہلِ نظر اس کی تصدیق کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ اپنی حیاتِ ظاہری میں ایک دفعہ درس دے رہے تھے اور آپ کی مجلسِ علم میں تین سو سے زائد اکابر اولیاء اللہ موجود تھے۔ جن میں حضرت علی بن الحیطی ابو سعید الکیلوی، ابو الخبیب سہروردی ابو عمرو عثمان المقدسی، امام صدیق بن محمد البغدادی، امام یحیی المرتعش، امام ضیاء الدین ابراہیم، امام ابو عبداللہ القزوینی، امام ابو بکر الشیبانی، امام ابو سعود العطار، امام ابو القاسم البزار، امام شہاب الدین سہروردی اور ابو محمد الیعقوبی جیسے جلیل القدر اولیاء اللہ موجود تھے۔ اسی دوران آپ کو حکم ہوا اور آپ نے اپنی ولایت کا اعلان یوں کیا:

قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔

آپ کے اس جملے کو علم تصوف و سلوک میں روایت متواترہ کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کا یہ اعلان سنتے ہی جو جہاں تھا، اس نے وہیں اپنے سر اور اپنی گردن کو جھکا لیا۔ آپ کے اس ارشاد کے ذریعے اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ کل سلاسلِ طریقت آپ کے ذریعے سے منصبِ ولایت کے باب میں مستفید ہوں گے۔

تعلیمات حضور غوث الاعظمؓ

ا۔ ولایت کی حقیقت کو حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بڑے ہی خوبصورت انداز میں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کن مع اللہ بلا خلق و کن مع الخلق بلا نفس۔

"مقامِ ولایت یہ ہے کہ بندہ خالق کے ساتھ بغیر خلق کے رہے اور مخلوق کے ساتھ بغیر نفس کے رہے۔"

یہ مختصر کلمات معرفت اور ولایت کے خزانوں کو اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہیں۔ اللہ کا سچا ولی وہی ہے جس کی خلوت اور جلوت مع اللہ کی گواہی اور شہادت دے۔۔۔ حق کے انوار کا اس کے دل کے اطوار پر غلبہ و تفوق رہے۔۔۔ اس کا دل مع اللہ کی کیفیت سے آباد و شاد رہے۔۔۔ وہاں مع الخلق کا گذر اور افسانے اور حکایتیں نہ ہوں۔ یہ سارے عوامل مع اللہ کے مقامِ قلب کی وحدانی فضاؤں میں غیر ہیں۔ جس دل میں مع اللہ اور غیر اللہ کا اجتماع نہ ہو، وہاں سے مقامِ ولایت کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لیے حضور غوث الاعظم نصیحت فرما رہے ہیں کہ اے طالبِ حق! اگر تو ولایت کی حقیقت کو پانا چاہتا ہے تو مع اللہ بلا خلق ہو جا اور مع الخلق بلا نفس ہو جا، تب تو رازِ ولایت کو پا جائے گا۔

۲۔ آپ اپنے عقیدت مندوں کو اخلاص کی دولت کو اختیار کرنے اور اس نعمت کا مستحق بننے کی تعلیم یوں دیتے ہیں:

علامة اخلاصك انك لا تلتفت الى حمد الخلق ولا الى ذمهم ولا تطمع فيما ايديهم تعمل للمنعم لا للنعمة۔

"اے میرے مرید! تیرے اندر اخلاص کی علامت یہ ہو کہ تو مخلوق کی مدح و ذم سے بے نیاز ہو جا اور لوگوں کے مال و دولت کی طمع نہ کر اور نعمت عطا کرنے والے منعم کے لیے عمل کر، نہ کہ صرف نعمت کے لیے۔" (الفتح الربانی، ۴۱۴)

۳۔ آپ دینداروں سے مخاطب ہوتے ہوئے اُن کے اندر دین کی قدر و اہمیت پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور دین کو بظاہر بربادی سے بچانے کے لیے انھیں یوں نصیحت کرتے ہیں کہ تمہارے دین کی بربادی چار چیزوں کی وجہ سے ہے:

الاول أنکم لاتعملون بما تعلمون؛ أنکم تعملون بما لا تعلمون؛ أنکم لا تتعلمون ما لا تعلمون فتبقوا جهالا؛ أنکم تمنعون الناس من تعلم ما لا یعلمون۔ (الفتح الربانی)

" پہلی چیز یہ ہے کہ تم نے جو علم سیکھا ہے، اس پر تم عمل نہیں کرتے ہو۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جس چیز کا تمھیں علم نہیں ہے، تم اس پر عمل کرتے ہو اور تیسری چیز یہ ہے کہ جس چیز کو تم سرے سے ہی نہیں جانتے، تم اسے سیکھنے اور جاننے کی فکر نہیں کرتے ہو۔ پس تم اس بنا پر جاہل کے جاہل ہو اور چوتھی چیز یہ ہے کہ تم لوگوں کو وہ علم حاصل نہیں کرنے دیتے جسے وہ نہیں جانتے۔

۴۔ ایک اور مقام پر آزمائشوں کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر آزمائشیں نہ ہوتیں تو سب لوگ ہی عابد اور زاہد ہوتے۔"

(الفتح الربانی، ص ۴۲۸)

اس حقیقت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بندگی کا اظہار امتحان کے وقت ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں آئیں تو تو ثابت قدم رہ، باری تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اگر تو اس وقت بدل جائے تو تیرا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔ (الفتح الربانی، ص ۸۶)

۵۔ سب سے زیادہ عقلمند اور سب سے زیادہ جاہل کی نشانی بتاتے ہوئے شاہ جیلاں فرماتے ہیں:

اعقل الناس من اطاع اللہ عزوجل واجهل الناس من عصاه۔ (الفتح الربانی، ص ۱۲۴)

"لوگوں میں سے سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور لوگوں میں سے سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے۔"

۶۔ ہر ایک طالبِ حق، متعلم اور معلم کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من لا یکون معلم نفسه فکیف یکون معلم غیره۔

’’جو شخص خود اپنے نفس کا استاد نہیں بن سکا، وہ دوسروں کا کیسے استاد بن سکتا ہے۔‘‘ (الفتح الربانی، ص ۲۷۴)

یعنی ایک داعیِ حق اور ایک سچے طالبِ مولا کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ سب سے زیادہ کاوش اپنی اصلاح کے لیے کرے۔ وہ خود کو عملی بنیادوں پر فلاح اور صلاح کا نمائندہ بنائے۔ اس کی دعوتِ حق اس کے کردار سے ظاہر ہو۔ وہ رحمن کا بندہ بنے اور پھر اوروں کو بندگی مولا سے آشنا کرے۔

۷۔ حضور غوث الاعظم اپنے مریدوں اور اللہ کے تمام بندوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تم شوق و اشتیاق سے اللہ کو یاد کرو، وہ تمہیں تقرب اور وصال سے یاد کرے گا۔۔۔ تم اسے حمد و ثنا سے یاد کرو، وہ تمہیں انعام و احسان سے آباد کرے گا۔۔۔ تم اسے توبہ و استغفار سے یاد کرو، وہ تمہیں بخشش و مغفرت کی نعمت سے شاد کرے گا۔۔۔ اگر تم اس کو ندامت سے یاد کرو گے تو وہ تمہیں عطا سے یاد کرے گا۔۔۔ تم اس کو اخلاص سے یاد کرو گے تو وہ تمہیں نجات و کامیابی کی خیرات سے آباد کرے گا۔۔۔ تم اس کو تنگ دستی میں یاد کرو گے، تو وہ تمہیں فراخ دستی اور خوشحالی کی نعمت سے یاد کرے گا۔۔۔ تم اسے فنا فی اللہ کی صورت میں یاد کرو گے، تو وہ تمہیں بقاء باللہ کی شان کے ساتھ یاد کرے گا۔۔۔ تم اسے صدق سے یاد کرو گے، تو وہ تمہیں کثرتِ رزق سے آباد کرے گا۔۔۔ تم اُسے اس کی ابدیت میں فنا ہو کر یاد کرو گے، تو وہ تمہیں تکریمِ انسانیت کا اعزاز عطا کرکے یاد کرے گا۔۔۔ تم اس کو ترکِ خطا سے یاد کرو گے، تو وہ تمہیں اپنی بخشش و عطا کے ذریعے یاد کرے گا۔۔۔ غرضیکہ تم بندہ خالص بن کر اور مقامِ بندگی کا پیکر بن کر اس کو یاد کرو گے تو وہ رحمن، رحیم، غفور اور شانِ صمدیت کا مالک ہو کر اپنی ساری خدائی، قدرت، قوت اور اپنی ساری شانِ عطا کے ساتھ تمھیں یاد کرے گا۔

شاہِ جیلاں، محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی ابو محی الدین حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایسی شمعِ ہدایت روشن کی ہے کہ لوگ اللہ سے واصل ہوتے رہیں گے۔۔۔ اس کی معرفت اور قربت کی طرف بڑھتے رہیں گے۔۔۔ اس کی محبت کے جام پی کر اس کی خلعتِ ولایت پہنتے رہیں گے۔۔۔ دل کی بستیاں ان کے طریقِ ذکر سے آباد ہوتیں رہیں گی۔۔۔ خشک زبانیں ان اسلوبِ طریقت کی بناپر تر ہوتی رہیں گی۔۔۔ ارواح اللہ کی یاد سے مچلتی رہیں گی اور ذہن ودماغ اور سوچ و فکر کی زمین ان کی جلائی ہوئی شمع توحید سے روشن رہے گی۔

روشن خیالی اور اعتدال پسندی اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک روشن خیال مذہب ہے اور ہر شعبہ زندگی میں اعتدال پسندی کا درس دیتا ہے اور قیامت تک آنے والے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کا علمبردار ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روشن خیالی کا جو تصور ہمارے ہاں ہر معاملہ میں عالمِ مغرب سے آیا ہے، اس کے بارے میں اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ مغربی روشن خیالی سے مراد ہر معاملہ میں آزاد ہونا ہے۔ یعنی تجارت میں بھی آزادی۔۔۔ سیاست میں بھی آزادی۔۔۔ معاشرے میں بھی آزادی۔۔۔ اور میل جول میں بھی آزادی۔ یعنی "No restriction at all"

مغرب کوئی پابندی یا حدود و قیود اپنے ہاں نہیں دیکھنا چاہتا، اسی لیے وہ ہمارے لیے بھی یہ چیز جائز نہیں سمجھتا۔ آج جو تبدیلی مغرب ہمارے ہاں دیکھنا چاہتا ہے، وہ ہمارے لائف سٹائل کی تبدیلی ہے۔ وہ طریقہ جو شروع سے ہمارے درمیان چلا آرہا ہے اور جسے ہم نے اسلام کی بدولت سیکھا ہے، وہ مغرب کو پسند نہیں۔ اہلِ مغرب نہیں چاہتے کہ ہماری ایک خاص طرزِ فکر، خاص معیشت، خاص تجارتی لین دین، یا خاص معاشرت ہو بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہماری معاشرت، معیشت اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں میں اُن کے افکار اور نظریات شامل ہو جائیں۔

ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ عریبک، منہاج یونیورسٹی لاہور

یاد رکھیں! اس قسم کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو اسلام میں نئے سرے سے داخل نہیں کیا جارہا بلکہ یہ تو وہ پرانی شراب ہے جس کو نئی بوتل میں ڈال کر پیش کیا جارہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مغرب میں جب روشن خیالی کا یہ نظریہ آیا تو اس نے مغرب کو کیا دیا؟ اگر اس نظریے نے مغرب کو کوئی فائدہ پہنچایا ہے تو مسلمان بھی اس نظریے کو اپنائیں لیکن اگر اس نظریے نے مغربی تہذیب کو نقصان پہنچایا ہے تو مسلمانوں کو بھی احتیاط کا دامن تھامنا ہوگا۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ متعدد کتب، میگزین اور انسائیکلوپیڈیا میں اس امر پر ثبوت موجود ہیں کہ اس روشن خیالی کے سبب مغرب نے حاصل کرنے کی نسبت بہت کچھ کھویا ہے۔

مغرب میں ایک وقت تک مذہب کو تفوق و غلبہ حاصل تھا۔ اس دور میں سائنسدانوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ برونو جیسے لوگوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ گلیلیو کو مجبور کیا گیا کہ اپنے نظریات سے انحراف کرلو ورنہ ہم پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ اسی لیے مذہب کو سائنس کے مخالف سمجھ کر مذہب کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ ان دنوں کلیسا کا اقتدار اتنا زیادہ طاقتور تھا کہ ان کے لیے بادشاہ کو بھی تبدیل کرنا مشکل کام نہ تھا۔ جب ایک چیز اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو دوسری چیزیں اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔

مذہبی رہنماؤں نے مذہب اور اس کی تعلیمات کا غلط استعمال کیا جس کے سبب مغرب میں مذہب کے خلاف دو سو سال تک مذہب بیزاری اور اصلاحِ مذہب یا روشن خیالی یا نشاۃ ثانیہ کے نام سے تحریک چلی۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد پاپائیت یعنی تھیوکریسی یا مذہبی حکومت کی خرابیاں دور کرنا تھا مگر اس کا نتیجہ بالکل الٹ نکلا اور مذہب بیزاری اور مذہب سے نفرت شروع ہوگئی۔

چنانچہ اس دور میں نئے نظریات پیش کیے گئے، ان میں فرائیڈ جیسے لوگ شامل ہیں جنھوں نے واضح طور پر کہہ دیا کہ ایک دور جہالت کا تھا، وہ ختم ہوگیا۔۔۔ پھر مذہب کا دور آیا، وہ بھی ختم ہوگیا۔۔۔ اب سائنس کا دور ہے۔ انھوں نے سائنس کو ایک Evolutionary method کے طور پر متعارف کروایا کہ دورِ جہالت میں لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ پھر جہالت کو ختم کرنے کے لیے دنیا میں مذہب وجود میں آئے۔ اب مذہب کا دور بھی ختم ہوگیا اور آج کا دور سائنس کا دور ہے۔ اس دور کو مذہب کے مقابلے میں تضاد کے طور پر پیش کیا گیا۔

مغرب میں روشن خیالی کے نام پر مذہب سے بیزاری کی تحریکوں کا آغاز

سترہویں صدی سے بیسویں صدی عیسوی تک کے دور میں جن دو تحریکوں نے جنم لیا، وہ دونوں تحریکیں مذہب بیزاری کی علامت تھیں۔ ایک تحریک کو تحریک عقلیت

(Rationalism) کہتے ہیں یعنی ہر چیز کو عقل سے پرکھا جائے اور یہ کہ ماوراء الطبیعیات، فوق الفطرت یا معجزات پر مبنی جتنے بھی دعوے یا عقیدے ہیں، انھیں عقل کی بنیاد پر دیکھا جائے، اگر عقل ان کو درست کہتی ہے تو ٹھیک اور اگر عقل ان کے خلاف ہے تو ان کو دور کردیا جائے۔ عقلیت پسندوں کے نزدیک ہر چیز کی اساس عقل ہے۔ چاہے نفسیات ہو، جمالیات ہو یا اخلاقیات ہو۔ نتیجتاً مذہب جس کی بنیاد وحی تھی، اسے ایک طرف رکھ دیا گیا اور ہر چیز عقل سے پرکھی جانے لگی۔ اس تحریک کی وجہ سے مذہب بیزاری کا جذبہ بڑھتا گیا۔

تحریک عقلیت کے ساتھ ساتھ مغرب نے ایک اور تحریک کو جنم دیا جسے ہم تحریک انسانیت (Humanism) کہتے ہیں۔ جس میں انسان کی برتری اور انسان کی اولیت کا نعرہ لگایا گیا۔ اس نعرہ کے پیچھے لذت کا نظریہ اور انسانی خواہشات کی تکمیل کا نظریہ کارفرما تھا۔

انہی دو تحریکوں نے مل کر مغرب میں روشن خیالی کے نظریے کو ہموار کیا۔ روشن خیالی اور مذہب بے زاری کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا۔ اسی کو مذہب تبدیلی یا مذہب کا خاتمہ کہتے ہیں یعنی ان کے نزدیک (نعوذ باللہ) God is dead، خدا مر گیا ہے۔

روشن خیالی اور اسلام

مغرب آج اسی قسم کی روشن خیالی کو مسلمانوں کے ہاں بھی دیکھنا چاہتا ہے۔ یاد رکھیں! حقیقت میں روشن خیالی یا اعتدال پسندی بری چیز نہیں ہے بلکہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی مذہب کی ضرورت ہے لیکن اس کا طریقہ کار مختلف ہے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام ایک روشن خیال مذہب ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اصل روشن خیالی ہے کیا؟ اصل روشن خیالی یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اپنے دین اور مذہب کے Life Style پر چلیں۔ اسلام کے مقابلے میں مغرب اپنے خیالات و نظریات مسلمانوں پر مسلط کی کوشش کر رہا ہے اور وہ ایسا کرنے میں بالکل بھی ہچکچا نہیں رہا۔ اسی لیے نئے نئے القابات سے مسلم امہ کو نوازا جاتا ہے کبھی بنیاد پرست، کبھی انتہا پسند اور کبھی مسلمانوں پر دہشت گردی کا ٹھپہ لگا دیا جاتا ہے۔

روشن خیالی کی بدولت جو کچھ عالمِ مغرب نے پایا، وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ آج مغرب مادر پدر آزاد ہوگئے ہیں اور جس ننگ و عار کو اسلام ختم کرنے آیا تھا، آج پھر دنیا اس ننگ میں مبتلا ہوگئی ہے۔ عالمِ مغرب کی طرف سے متعارف روشن خیالی، اعتدال پسندی، گلوبلائزیشن اور اس قسم کی چیزوں کا نقطہ صرف یہی ہے کہ مغرب والے مسلم امہ کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جیسے

ہم ہیں، مسلمان بھی ویسے ہو جائیں۔ اس طرح ایک طرف تو ہمارے افکار کو تبدیل کیا جارہا ہے تو دوسری طرف ہمیں کمزور سے کمزور تر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو زندگی کے دونوں پہلوؤں یعنی دین و دنیا کی بات کرتا ہے جبکہ مغربی تہذیب صرف دنیا کی بات کرتی ہے۔ پوری دنیا کی سیاست، معاشرت اور معیشت پر ایک سرمایہ دارانہ نظام مسلط ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام کا معاشی نظام دنیا کو ایک منفرد نظامِ معیشت اور اقتصادی ضوابط عطا کرتا ہے۔ جب مسلمان اپنے مذہب کے دیے ہوئے اصول نہیں اپنائیں گے تو اسی غیر منصف اور ظالم نظام کے تحت پھڑ پھڑاتے رہیں گے۔ سوشلزم اور کمیونزم جیسے معاشی افکار و نظریات جلد ہی اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئے جبکہ اسلام کا نظریہ معاشیات چودہ سو سال گزرنے کے باوجود اب بھی قائم ہے۔ اس میں خرابیاں ہماری اپنی کمزوریوں کے باعث پیدا ہیں لیکن آج بھی یہ دیگر معاشی نظاموں کی نسبت بہت بہتر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عالمی تنظیمیں اور بہت سی ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی وجود میں آگئی ہیں جو ممالک میں غربت ختم کرنے کا باعث بنتی ہیں مگر مسلمان ان کے معاشی چکروں میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ آج اگر وہ ان سے نکلنا بھی چاہیں تو اس کے لیے کافی وقت اور محنت درکار ہے۔ حکومتوں کے کتنے ہی اعلانات ہوتے ہیں کہ 'ہم نے کشکول توڑ دیے، اب ہم قرضہ نہیں لیں گے، اب ہم خود انحصاری کی طرف جارہے ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ایک قدم آگے اور دو قدم پیچھے چلے جارہے ہیں۔

آج اگر مسلمانوں کو روشن خیالی اپنانی ہے تو انہیں پہلے اقتصاد کو ٹھیک کرنا ہوگا۔ جب تک اسلام کے دیے ہوئے معاشی اصول مغرب کے دیے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں برتری اختیار نہیں کرتے، اس وقت تک یہی ہوتا رہے گا۔ درحقیقت مسلمان اپنے معاشی نظام کی طرف توجہ اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آج سرمایہ دارانہ نظام تلے دبے ہوئے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی روشن خیالی یہی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلہ میں اسلام کو کامیابی حاصل ہو۔ اسلام کا اپنا نظامِ بینکاری منظم ہو جس پر دنیا انحصار کرے۔

☆ اسی طرح ہمیں سیاسی نظام اور مشاورت کے سیاسی اصول کو ان Democratic اصولوں پر حاوی کرنا ہوگا جو مغرب ہمیں دیتا ہے۔ اس کے لیے اسلام کو عملی طور پر ایک بہترین لائحہ عمل پیش کرنا ہوگا۔ کیونکہ اب مقابلے کا زمانہ ہے۔ Clash of civilization کا مسئلہ یقیناً درپیش ہے۔ Survival to the fittest کے مطابق بقا اسی کی ہے، جو زمانہ کے ساتھ ساتھ چلے گا۔

مسلم ممالک میں حکومتوں کی تبدیلی کا نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں عوام کی مرضی کا بہت کم عمل دخل ہے۔ جب مسلم امہ کے حکمران ہی کرپٹ ہوں اور وہ پالیسیاں پیش کریں جو باہر سے درآمد ہوتی ہوں اور وہ پالیسیاں ہمیں طوطے کی طرح رٹائی جاتی ہوں تو یاللعجب! کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

☆ اسی طرح مسلمان جب تک اپنا نظامِ تعلیم مستحکم و منظم نہیں کریں گے تب تک دنیائے اسلام کبھی سرخرو نہیں ہو پائے گی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سائنسی تعلیمات اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھیں اور غور و فکر کریں۔ آج مسلمانوں کو سائنس و ٹیکنالوجی سیکھنے کی ضرورت ہے، زبانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آج اگر دنیا کا مقابلہ کرنا ہے تو ہمیں سبھی شعبوں میں آگے بڑھنا ہوگا۔ اگر مسلمان مقابلہ نہیں کرنا چاہتے اور صرف اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں تو اپنی اس روش پر قائم رہیں مگر اس راستے کا انجام بھی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اگر زندہ قوم کے طور پر رہنا چاہتے ہیں تو نئے نئے علوم کو سیکھنا از حد ضروری ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر آدمی ہر علم سیکھے مگر جس میں جس قدر استطاعت ہے، وہ ضرور سیکھے۔ جس قوم کی نسل جدید تعلیم سے محروم ہو تو اس محرومی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ساری کاوشیں ضائع ہو گئیں۔

نصاب کی تبدیلی، چیزوں کو صحیح سمجھنا، باتوں کی تحقیق کرنا، غور و فکر کرنا، میانہ روی اختیار کرنا، اعتدال اختیار کرنا؛ یہ سب ہماری تعلیمات ہیں جو کہ قرآن و سنت ہمیں دیتی ہیں۔ ہمیں اپنا تعلیمی نصاب تبدیل کرنا ہوگا کیونکہ تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جو قوموں کے عروج کا سبب بنتی ہے۔ ترقی کے لیے دوسرے میدان بھی ہیں مگر تعلیم ایک ایسا میدان ہے جو ہمیں جلا بخشتا ہے۔

آج اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مغرب نے پندرہویں صدی میں جب اپنے ہاں یونیورسٹیاں کھولیں تو سب سے پہلے اسلامیات اور عربی کو پڑھا۔ آج بہت سے لوگ اس بات سے ناآشنا ہیں کہ مغرب میں بھی اسلامیات پڑھائی جاتی ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی، کیمبرج یونیورسٹی، سوربون یونیورسٹی، سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی، ان سب کو چھ سو سال ہو گئے ہیں، وہاں اسلامی علوم اور عربی کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن مغرب والے ان علوم کی تعلیم صرف اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے حاصل کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک ہزار سال کا ایک شاندار ماضی رہا ہے مگر افسوس کہ اس کے بعد امت مسلمہ خوابِ غفلت کا شکار ہو گئی۔

ایک دور تھا جب مسلمان اخلاقی قوت تھے، Morality کا معیار بلند تھا، بڑے بڑے فلاسفرز پیدا ہوئے اور ان فلاسفر کی بدولت کئی عظیم افکار و نظریات سامنے آئے۔ مگر افسوس کہ آج ہم مادیت پرستی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' (بابر عیاشی کرلو پھر دنیا میں کہاں آنا ہے) کے مصداق عیاشی میں کھو چکے ہیں۔ یہ اسلام کا تصور نہیں ہے۔

اسی طرح اکثر مسلمانوں کا تصور یہ ہے کہ صرف آخرت بہتر ہونی چاہیے، یاد رکھیں، 'آخرت ٹھیک ہو گئی تو سب ٹھیک ہو گا'، یہ تصور بھی اسلامی تعلیمات اور روشن خیالی کے متصادم ہے۔ اسلام کی اصل تعلیمات یہ ہیں کہ دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ رکھ کر چلیں۔ ارشاد فرمایا:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ (البقرہ، ۲: ۲۰۱)

'' اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی سے نواز۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف موت کا انتظار کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ اگر ایسا ہے تو زندگی کے 50، 60 سال فضول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی۔ (القیامۃ، ۷۵: ۳۶)

'' کیا اِنسان یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے بے کار (بغیر حساب و کتاب کے) چھوڑ دیا جائے گا۔''

کیا انسان یہی سمجھتا رہے کہ اس دنیا میں اس کی کوئی ضرورت نہیں، وہ صرف مرنے کا انتظار کرے۔ یاد رکھیں! آخرت کی بہتری کا دارومدار بھی دنیا کی بہتری پر ہے۔ دنیا صرف مذہبی اعمال سرانجام دینے کا نام نہیں۔ دین میں سارے امور شامل ہیں۔ اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا سب دین کے مطابق ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ (البقرہ، ۲: ۲۰۸)

’’اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔‘‘

انسانی مساوات، حکمرانوں کی جواب دہی، شریعت کی پابندی، انصاف کی حکمرانی، معاشی و معاشرتی مساوات؛ یہ تمام وہ رہنما اصول تھے جن کی بناء پر مسلمانوں نے ایک عرصے تک اپنا سکہ دنیا پر جمائے رکھا۔ یاد رکھیں مذہبی تعلیمات سے بیزاری روشن خیالی نہیں ہے اور نہ ہی مذہب سے بیزاری میں ترقی ہے۔

اپنی گمشدہ روایات کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے عقائد، ہمارا اخلاق، ہمارا کردار درست ہو۔ آج روشن خیالی کے نام پر مسلم ممالک کے تین بڑے شعبوں کو متاثر کیا جارہا ہے: ۱۔ تعلیم ۲۔ میڈیا ۳۔ قانون

تعلیم سے اسلام کو نکالا جارہا ہے۔ قوانین کو تنقید کے ذریعے تبدیل کیا جارہا ہے۔ میڈیا کے ذریعے ثقافتی یلغار جاری ہے۔ ان تمام خرابیوں نے ہماری معاشرت کو کھوکھلا کردیا ہے۔ مسلم امہ کو اسلامی دائرے میں رہتے ہوئے میڈیا کا مقابلہ بھی کرنا ہے، مغربی نظام تعلیم کا متبادل بھی تیار کرنا ہے، اپنے قانون کی حفاظت بھی کرنی ہے اور مذہب کی تفہیم اور اس کی ناگزیریت کو بھی عوام و خواص کے حلقوں تک پہنچانا ہے۔

خلاصۂ بحث

روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا وہ تصور جو ہمیں ہمارا دین دیتا ہے، اس کو اپنانا چاہیے۔ ایسا تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنے دین کو اچھی طرح سمجھیں گے اور وہ رہنما اصول اپنائیں گے جو اسلام ہمیں دیتا ہے۔ آج مغرب کی طرف سے ہم پر مسلط روشن خیالی کے تصور کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ جو کچھ ہمارے خلاف عالمِ مغرب میں کہا اور لکھا جاتا ہے، تعلیم اور شعور کی کمی کے باعث اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔ جب علمی میدان میں مسلم امہ آگے ہوگی تو تب ہی اقوامِ عالم میں ایک باوقار مقام حاصل کرپائے گی۔ نام نہاد روشن خیالی کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلام کی اصل تعلیمات کو اپنانا ہوگا اور پھر معاشی نظام درست کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہوگا۔ اپنی معاشرتی، تعلیمی، عسکری، فکری اور سیاسی تعلیمات بھی ٹھیک کرنا ہوں گی تب جاکر مسلمان حقیقی روشن خیال اور اعتدال پسند ہوں گے۔

سوشل میڈیا کی اَخلاقیات

عبدالستار منہاجین

سوشل میڈیا کے اصل مقصد کو سمجھنا ضروری ہے۔ اگر ہم سوشل میڈیا کو بامقصد استعمال نہیں کریں گے، تو کوئی اور ہمیں غیر محسوس طریقے سے استعمال کرلے گا۔ بڑی بڑی سوشل میڈیا کمپنیاں جو ہمیں مفت اکاؤنٹ بنانے کا موقع دیتی ہیں، وہ اس کے بدلے ہماری زندگی کی سب سے قیمتی متاع ہم سے لیتی ہیں، جو ایک ناقابلِ تلافی سرمایہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ

(بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۵۷، رقم الحدیث: ۶۰۴۹)

’’(اللہ تعالیٰ کی) دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں۔ اُن میں سے ایک صحت ہے اور دُوسری فراغت ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرصت کے اوقات کو صحت کے برابر قیمتی قرار دیا۔ لہٰذا، ہمیں اپنے فارغ وقت کو کارآمد بنانا چاہیے اور سوشل میڈیا پر غیر ضروری وقت ضائع کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل امور کو ہمیشہ مدِ نظر رکھیں:

ا۔ بے مقصد سکرولنگ سے اِجتناب کریں

بے مقصد سکرولنگ میں وقت ضائع کرنا دانشمندی نہیں۔ فضول اور غیر مفید مواد، خاص طور پر مختصر ویڈیوز (ریلز اور شارٹس)، دماغ کو غیر متوازن کر سکتی ہیں کیونکہ یہ تیزی سے مختلف جذباتی

کیفیات میں جھٹکا دیتی ہیں۔ چند سیکنڈز کی ریلز اور شارٹس دماغ کو یکدم خوشی اور غمی بھرے مختلف جذبات دکھاتی ہیں اور انسانی دماغ جذبات کے فوری اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ جس کا نتیجہ ذہنی اِنتشار اور عدم اِستحکام کی صورت میں نکل سکتا ہے۔

۲۔ لائیکس اور فالورز کی دوڑ سے بچیں

ہمیشہ اپنی پوسٹس پر لائیکس اور فالورز کی تعداد دیکھنا، ہر وقت نوٹیفکیشن چیک کرتے رہنا اور دوسروں کی رائے پر غیر ضروری اِنحصار کرنا ایک غیر صحتمند عادت ہے۔ مشہور شخصیات کی زندگی میں حد سے زیادہ دلچسپی لینا اُس شخصیت کو تو فائدہ دیتا ہے مگر ہمارا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح فیک نیوز اور افواہیں وقت اور وسائل کو ضائع کرتی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كَفٰی بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يحدث بِكُلِّ مَا سَمِعَ

(مسلم، الصحیح، رقم الحدیث: ۵)

”آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے بس یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات (تحقیق کئے بغیر) بیان کرنے لگے۔“

لہٰذا، کسی بھی معلومات کو بغیر تصدیق آگے نہ بڑھائیں۔

۳۔ غیر ضروری مباحث سے اِجتناب کریں

سوشل میڈیا پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی بجائے تعمیری سرگرمیوں میں حصہ لیں۔ بے مقصد سکرولنگ کے بجائے اپنا وقت سیکھنے سکھانے میں صرف کریں۔ ہر ٹرینڈ پر تبصرہ کرنا اور غیر ضروری مباحث میں شامل ہونا وقت کا ضیاع ہے۔ حدیثِ مبارک ہے: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ

(ترمذی، السنن، رقم الحدیث: ۲۳۱۷)

”کسی (بھی) شخص کے اِسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں کو چھوڑ دے۔“

اپنی پرائیویسی کا خیال رکھیں اور ہر سرگرمی سوشل میڈیا پر شیئر نہ کریں، کیونکہ یہ آپ کے لیے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔

۴۔ اپنا مقصد متعین کریں

سوشل میڈیا کا اِستعمال کسی بامقصد کام کیلئے کریں۔ محض تفریح یا وقت گزاری کیلئے اس میں مگن رہنا ہماری اِجتماعی ناکامی کو ظاہر کرتا ہے۔ سیاسی و مذہبی مباحث میں شدت پسندی سے گریز کریں اور

منطقی و تعمیری گفتگو کو فروغ دیں۔ مجموعی طور پر ہم مقصدیت سے عاری قوم ہیں۔ انفرادی و اجتماعی سطح پر وقت کا ضیاع ہماری اولین ترجیح ہوتا ہے۔ ہم کسی با مقصد کام سے جان چھڑا کر جلدی فارغ ہو جانا چاہتے ہیں تاکہ کچھ وقت ضائع کرنے کیلئے بچا سکیں۔ متنازعہ موضوعات پر بات کرنا ہمارا قومی مشغلہ ہے۔ ہم سیاسی گپ شپ میں چسکے لینے والی قوم ہیں جو خود اِحتسابی کی بجائے دوسروں کا اِحتساب کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

ہمارا سوشل میڈیا بالعموم شخصیات کے ساتھ محبت اور نفرت کے ساتھ بھرا پڑا ہے۔ ایک بڑی اکثریت اپنے سیاسی و مذہبی لیڈروں کی تعریفوں کے پل باندھتی رہتی ہے جبکہ ایک دوسری اکثریت اُن پر طعن و تنقید کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ ہم شخصیات کو ڈسکس کرنے میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں، اور اُن کا ایجنڈا، پروگرام اور کارکردگی کو زیر بحث نہیں لاتے۔

۵۔ سوشل میڈیا ایک آفاقی صحبت ہے

سوشل میڈیا پر موجود اَفراد کے خیالات اور رویوں کا ہم پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ ہم جتنی جلدی یہ سمجھ جائیں اُتنا ہی اچھا ہوگا کہ سوشل میڈیا پر دوستیاں گلی محلے کی صحبت سے زیادہ اہم ہیں۔ پرانے وقتوں میں والدین بچوں کو نصیحت کرتے تھے کہ وہ اچھے بچوں کے ساتھ دوستی لگائیں اور بری عادات رکھنے والے بچوں کی صحبت سے بچیں۔ آج ہمارا سوشل سرکل گلی محلے کی صحبت اور دوستی سے بڑھ کر ہم پر اثرانداز ہو رہا ہے۔ ہمیں سوشل میڈیا پر بھی اچھی صحبت اِختیار کرنی چاہئے اور بری صحبت سے اِجتناب کرنا چاہئے۔ جیسے عام زندگی میں اچھے دوستوں کا اِنتخاب ضروری ہے، ویسے ہی سوشل میڈیا پر بھی مثبت اور اَخلاقی مواد شیئر کرنے والے لوگوں کو دوست بنانا چاہئے۔

٦۔ مذہبی اِفراط و تفریط سے بچیں

سوشل میڈیا پر مذہبی بحث و مباحثہ عموماً بے نتیجہ ہوتا ہے اور اِختلافات کو جنم دیتا ہے۔ اَخلاقیات سے عاری لوگ سوشل میڈیا پر دوسروں کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ذمہ دار اِنسان بنیں۔ مدِ مقابل کو کسی خاص طبقے کا نمائندہ قرار دے کر اُس کے ساتھ بحث نہ کریں۔ مذہبی شخصیات پر تنقیدی فقرہ بازی نہ کریں۔ کسی بھی مسلک یا مذہبی شخصیت پر تنقید کرنے سے گریز کریں اور بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ دیں۔

۷۔ سیاسی اِفراط و تفریط سے بچیں

اپنے سیاسی نظریات اور اپنی من پسند سیاسی شخصیات سے محبت رکھنا اور اُن کے دیے ہوئے پروگرام پر عملدرآمد کیلئے اُن کا ساتھ دینا ایک اچھا اِقدام ہے مگر سیاسی نظریات کیلئے اپنی رشتہ داریاں خراب نہ کریں۔ جو پارٹیاں ایک دوسرے کا پیٹ پھاڑ کر قوم کی لوٹی ہوئی دولت نکالنے کے دعوے کرکے لوگوں کو بے وقوف بناتی تھیں، آج وہ مل کر ملک پر حکومت کر رہی ہیں۔ یہ سیاسی جماعتیں اپنے مفادات کے لیے ہر قدم اٹھانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہیں، ان کی سیاست کا اخلاقیات کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے مفادات کے ساتھ رشتہ ہوتا ہے۔ لہذا اپنی دوستیوں اور رشتہ داریوں کو اِس مکروہ سیاست کی بھینٹ نہ چڑھائیں اور سیاسی نظریات میں شدت پسندی سے گریز کریں۔ سیاسی جماعتوں کی وقتی چمک دمک میں آکر اپنے ذاتی تعلقات اور رشتے سیاست کی نذر نہ کریں۔ ہمیں سیاسی شخصیات پر تنقید کو اپنا مشغلہ بنانے کی بجائے نظام کی اِصلاح پر توجہ دینی چاہیے۔

کسی ایک پارٹی کے خلاف پوسٹ اکثر دوسری کے حق میں جارہی ہوتی ہے۔ ملک میں جاری ظالمانہ نظام کی بجائے کسی ایک پارٹی کو اپنا دشمن قرار دے کر دوسروں کو فائدہ نہ دیں۔ اِس سے اُلٹا نظام ہی مضبوط ہوتا ہے۔ ہمیشہ ظالمانہ نظام سے چھٹکارے کے حوالے سے عوام کا شعور بیدار کرنے پر فوکس کریں۔

۸۔ مثبت اور بامقصد گفتگو کو فروغ دیں

مصطفوی معاشرے کے قیام کیلئے نئے لوگوں تک شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا پیغام پہنچائیں اور ہمیشہ مثبت اور بامقصد گفتگو کو فروغ دیں۔ اِختلافات کو بڑھانے کے بجائے باہمی اِشتراک اور اِتفاق کے نکات تلاش کریں۔ لوگوں سے اُلجھ کر اُنہیں اپنا دشمن بنانے کی بجائے دوستوں کی تعداد بڑھانے پر فوکس کریں۔ اِختلاف کی بجائے باہمی اِتفاقات کو مدنظر رکھنے کی عادت ڈالیں۔ لوگوں کو اپنے ساتھ مانوس کریں تاکہ وہ آپ کی بات سننے میں دلچسپی ہیں۔ اُن کے ساتھ اُلجھ کر اُنہیں وحشت میں مبتلا نہ کردیں۔

۹۔ ردعمل میں کبھی اِعتدال کی روِش نہ چھوڑیں

سوشل میڈیا پر کسی بھی پوسٹ یا تبصرے کا ردعمل جذباتی انداز میں نہ دیں بلکہ ہمیشہ راہِ اعتدال کو اپنائیں۔ ہمیشہ عقلی و منطقی انداز میں گفتگو کریں یا خاموشی اختیار کریں۔ اُن لوگوں کے ساتھ بحث سے

بچیں جو ہمیں مشتعل کر کے ہمارے منہ سے سخت الفاظ نکلوا کر ہمیں بے دلیل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے تئیں اسے محبت کی آزمائش سمجھ کر عقل و خرد کو دوسری طرف رکھ کر جذباتی جوابات شروع کر دیتے ہیں۔ گویا دوسرا ہمارے جذبات کو کنٹرول کرنے لگتا ہے اور ہم اپنا کنٹرول اُس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اپنا کنٹرول ہمیشہ اپنے اِختیار میں رکھیں کہ دوسرا ہمیں غصہ دلا کر کنٹرول نہ کر سکے۔ اِختلاف کی صورت میں ہمیشہ دلیل سے بات کریں یا خاموش رہیں۔ ہر سوال ہمارے جواب دینے کیلئے نہیں ہوتا۔ ضرورت ہوئی تو ہماری بجائے کوئی اور اُس کا جواب دے دے گا۔ بعض لوگ اِس نیت سے بھی پوسٹ کرتے ہیں کہ ہم جذباتی ہو کر اُس پر جواب لکھیں اور وہ وائرل ہو کر اُن کا مقصد پورا کر دے۔ مخالفانہ پوسٹ پر جواب لکھ کر اُسے وائرل کرنے میں اپنا حصہ نہ ڈالیں۔

المختصر یہ کہ سوشل میڈیا ایک طاقتور ذریعہ ہے جسے اگر مثبت انداز میں اِستعمال کیا جائے تو یہ ترقی اور بیداریٔ شعور کا زبردست ذریعہ بن سکتا ہے۔ ہمیں اپنی گفتگو، مواد اور وقت کے درست اِستعمال کو یقینی بناتے ہوئے، تعمیری سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیرِ سرپرستی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

فی شمارہ: 60 روپے

سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128

0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740

Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

سہ روزہ الہدایہ 2025ء

خصوصی رپورٹ

”الہدایہ“ منہاج القرآن انٹرنیشنل (برطانیہ) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سالانہ اسلامی تربیتی کیمپس کا ایک سلسلہ ہے جس کا آغاز 2005ء میں ہوا۔ ان کیمپس کا مقصد یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کی روحانی تربیت، دینی تعلیم اور اخلاقی نشوونما کرنا ہے۔ یہ کیمپس مغربی معاشرے میں موجود نوجوانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرانے اور انہیں انتہا پسندی اور گمراہی سے بچانے کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کرتے ہیں۔ یہ تربیتی کیمپس نوجوانوں میں اسلامی اقدار، سماجی بہبود اور امن کے پیغام کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہیں۔ الہدایہ کے ذریعے نوجوانوں میں قیادت کی صلاحیتیں پیدا کرنے اور انہیں مغربی معاشرے کا ایک فعال اور مثبت حصہ بنانے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔

ان تربیتی کیمپس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری سمیت دیگر جید علماء اور اسکالرز لیکچرز دیتے ہیں جو شرکاء کو مختلف دینی اور عصری موضوعات پر رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ الہدایہ تربیتی کیمپس میں نہ صرف دینی تعلیمات پر زور دیا جاتا ہے، بلکہ عملی ورکشاپس اور مختلف دینی، علمی اور روحانی

سرگرمیاں بھی منعقد کی جاتی ہیں تاکہ نوجوانوں کو روزمرہ زندگی کے مسائل اور چیلنجز کا سامنا کرنے کی تربیت دی جا سکے۔

☆ امسال منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے زیر اہتمام تین روزہ (2 اگست تا 4 اگست 2025ء) دینی، تعلیمی اور اصلاحی تربیتی کیمپ "الہدایہ 2025ء" یونیورسٹی آف وارِک لندن میں منعقد ہوا۔ اس کیمپ میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی، پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفیٰ مدنی القادری، شیخ احمد مصطفیٰ العربی القادری اور ڈاکٹر غزالہ حسن قادری نے خصوصی شرکت کی اور مختلف موضوعات پر لیکچرز دیے۔ اس کیمپ میں برطانیہ بھر سے مختلف طبقاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والی 1300 سے زائد فیملیز نے بطورِ خاص شرکت کی۔

"الہدایہ" گزشتہ 20 سال میں علم، روحانیت اور اسلامی نظریاتی بیداری کا روشن مینار بن کر ابھرا ہے۔ یہ ایک علمی، فکری اور روحانی تحریک ہے جس نے دو دہائیوں سے اذہان و قلوب کی تربیت کی، ایمان کو جلا بخشی اور نئی نسل کو جدید فتنوں سے بچا کر اسلام کی حقیقی روشنی کی جانب گامزن کیا ہے۔ امسال منعقد ہونے والے "الہدایہ" کیمپ کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

تربیتی کیمپ کا پہلا دن (2 اگست 2025ء)

"الہدایہ" 2025ء کے عنوان کے تحت منعقدہ تین روزہ تربیتی کیمپ کا آغاز تلاوت قرآن مجید اور نعت رسول مقبول ﷺ سے ہوا۔ بعد ازاں "الہدایہ" کے ٹائٹل کے تحت 20 سال پر محیط اس روحانی اور علمی سفر پر شرکاء نے منتظمین کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

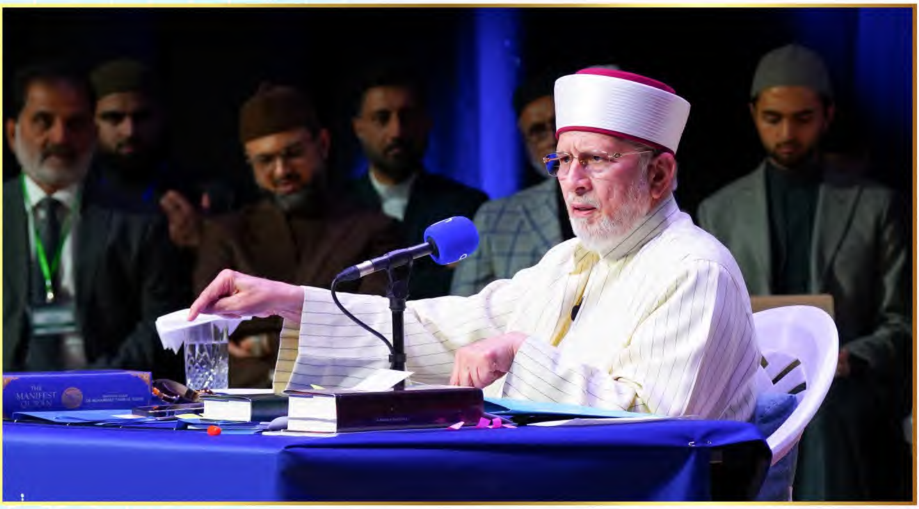

شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے ”الہدایہ“ تربیتی کیمپ میں The PreEminence and Authenticity of the Sunnah and Hadith. ، سنت و حدیث کی حجیت اور اسناد کی اہمیت“ کے موضوع پر اپنا پہلا علمی و فکری خطاب ارشاد فرمایا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں حجیتِ حدیث کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی کریم ﷺ کے فرامین کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنا حدیث پر ایمان کا ثبوت ہے۔ سنت کو مانے بغیر قرآن کو ماننا بھی ممکن نہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور اللہ کی اطاعت کو لازم وملزوم قرار دیتی ہیں اور دونوں کی نافرمانی کو یکساں طور پر نافرمانی اور گمراہی قرار دیتی ہیں۔ قرآن اور سنت دو الگ راستے نہیں، بلکہ ایک ہی نور، ایک ہی پیغام اور ایک ہی الوہی منبع کے سرچشمے ہیں۔

شیخ الاسلام نے قرآن کی متعدد آیات سے استدلال کیا، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے فرامین اور اعمال کی حجیت کی توثیق کی ہے۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن اور سنت ایک ہی پیغام کے دو پہلو ہیں۔ قرآن ہمیں عبادت کا حکم دیتا ہے، لیکن اس کا طریقہ ہمیں سنت سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ قرآن حکم دیتا ہے، سنت طریقہ فراہم کرتی ہے۔ قرآن ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن سنت کے بغیر، ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کیسے ادا کرنا ہے۔

شیخ الاسلام نے ان آیات کو بھی بیان فرمایا جن میں آپ ﷺ کے فرامین واعمال اور اطاعت کو قبول کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو رد کرنا دونوں کو رد کرنا ہے۔ شیخ الاسلام نے اپنے خطاب میں واضح کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے بغیر کوئی اسلام نہیں۔ قرآن اور سنت دو راستے نہیں ہیں؛ وہ ایک روشنی اور ایک ہی پیغام ہیں اور ان کا ماخذ بھی ایک ہے۔

اپنے خطاب میں شیخ الاسلام نے نوجوانوں کو سوشل میڈیا پر پھیلنے والی غیر مستند، بغیر علم اور غیر تربیت یافتہ آوازوں سے ہوشیار رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ چکنی چپڑی زبان یا فصیح انداز کو حق نہ سمجھو۔ جو سننے میں اچھا لگے، ضروری نہیں کہ وہ سچ بھی ہو۔ جو سوشل میڈیا پر مقبول ہو، لازمی نہیں کہ وہ مستند بھی ہو۔ اسلام علمی گہرائی، نظم اور سند کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسے دوا صرف ماہر ڈاکٹروں سے حاصل کی جاتی ہے، ویسے ہی دین صرف اہلِ علم اور سند یافتہ علماء سے سیکھا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام نے نوجوانوں کو پیغام دیتے ہوئے کہا کہ اپنے دین کو صحیح طریقے سے سیکھنے میں وقت صرف کریں۔ قرآن اور سنت سے جڑی ہوئی مستند تعلیمات پر بھروسہ کریں جو صدیوں کے علمی ورثے میں محفوظ ہیں۔ اپنے آپ کو علم سے لیس کریں تاکہ ان لوگوں کے بہکاوے میں نہ آئیں جو بغیر حکمت و بصیرت کے بولتے ہیں۔ ان آوازوں سے ہوشیار رہیں جو قرآن کو نبی ﷺ سے الگ کرتی ہیں۔ اسلام توازن، علم، اور مستند روایت کا مذہب ہے نہ کہ سنسنی خیزی یا ذاتی رائے کا۔

☆ الہدایہ تربیتی کیمپ کے پہلے روز کے دوسرے سیشن میں شرکاء کے روحانی ذوق اور کیفیات کو جِلا بخشنے کے لیے قراء اور نعت خوانان نے تلاوت قرآن مجید، حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت اور مختلف عارفانہ و صوفیانہ کلام اور نشید پیش کیے۔ علاوہ ازیں اس کیمپ میں شریک بچوں کے لیے بھی خصوصی طور پر علمی اور روحانی سرگرمیوں کا خصوصی اہتمام کیا گیا جن میں بچوں نے نہایت ذوق و شوق سے بھرپور حصہ لیا۔

تربیتی کیمپ کا دوسرا دن (3 اگست 2025ء)

''الہدایہ'' کیمپ کے دوسرے دن کے پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید اور نعت رسول مقبول ﷺ اور محفل سماع سے ہوا۔ بعد ازاں محترمہ ڈاکٹر غزالہ حسن قادری اور شیخ حماد مصطفی المدنی القادری نے نہایت اہم موضوعات پر لیکچرز دیے اور مختلف پہلوؤں سے اسلامی تعلیمات کو اجاگر کیا۔

خطاب ڈاکٹر غزالہ حسن قادری

ڈاکٹر غزالہ حسن قادری (صدر منہاج القرآن ویمن لیگ انٹرنیشنل) نے Steps to Spirtual Growth- A Practical Guide to Becoming a

Better Muslim ”عملی مسلمان بننے کے لیے روحانی ترقی کے مراحل“ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ان امور کی طرف توجہ دلوائی کہ ایک بہتر مسلمان بننے کے لیے کیا عملی اقدامات اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ یہ خطاب باطنی اصلاح، سچی توبہ اور عاجزی کی اہمیت کو اجاگر کررہا تھا۔ انہوں نے اچھے اخلاق، نرمی اور دوسروں کے لیے دل میں وسعت پیدا کرنے پر زور دیا۔ اُن کا کہنا تھا مومن کو بدتمیزی یا دوسروں پر فتویٰ لگانے سے گریز کرنا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ دوسروں کی غلطیوں پر نظر رکھیں، ہمیں خود سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کیا ہمارے رویے، ہماری زبان اور ہمارے غصے سے لوگ محفوظ ہیں؟ زبان سے نکلے الفاظ بھی جسمانی زخموں کی طرح تکلیف دے سکتے ہیں۔

تقویٰ (اللہ کی قربت اور خوف) حاصل کرنا بھی اسی طرح محنت کا متقاضی ہے، جیسا کہ دنیاوی کامیابیاں محنت چاہتی ہیں۔ روحانی ترقی کوئی اتفاقیہ عمل نہیں بلکہ مسلسل اخلاص، عاجزی، صبر اور محنت سے حاصل ہونے والا ایک شعوری سفر ہے۔ ہمیں ہر لمحہ سوچنا چاہیے کہ ہم اللہ کے پسندیدہ راستے پر ہیں یا ناپسندیدہ پر؟ غفلت کی زندگی انسان کو اللہ سے دور کر دیتی ہے۔ صبر کو صرف بیماری یا مشکل پر برداشت کرنا نہ سمجھا جائے، بلکہ اصل صبر وہ ہے کہ جب گناہ کا موقع موجود ہو لیکن انسان خود کو روک لے۔ یہی صبر حقیقی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ صبر کو مضبوط بنانے کے لیے قناعت (دل کا سکون اور شکر گزاری) کا ہونا ضروری ہے، خاص طور پر آج کے دور میں جب سوشل میڈیا پر دوسروں کی زندگیوں سے موازنہ انسان کے دل میں بے چینی پیدا کرتا ہے۔ اپنی زبان کو صابر، دل کو مطمئن، اور جسم کو پرسکون رکھیں۔ جب یہ توازن حاصل ہو جائے تو دل کی گہرائیوں سے سکون اور روحانی استحکام نصیب ہوتا ہے۔

Al-Futuwwa: A Chivalrous Way of Life in the 21st Century

شیخ حماد مصطفی المدنی القادری نے نوجوانوں سے الفُتُوَّۃ: اکیسویں صدی میں جوانمردی کا طرزِ حیات" کے موضوع پر نہایت مؤثر اور بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ انہوں نے الفتوۃ کے تصور کو تاریخی و روحانی پس منظر میں بیان کیا اور واضح کیا کہ یہ محض ماضی کا تصور نہیں بلکہ عصرِ حاضر میں بھی ایک لازمی اخلاقی و روحانی نظامِ حیات ہے۔ آج کے دور میں ایمان کو صرف رسمی عبادات اور رسومات تک محدود کر دیا گیا ہے۔ نماز، روزہ اور مسجد کی حاضری کے باوجود اکثر لوگ یتیموں، بھوکوں، محتاجوں اور مظلوموں کی خبر گیری نہیں کرتے۔ سچے مؤمن کا تین چوتھائی وقت خلقِ خدا کی خدمت، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور رحم و سخاوت میں گزرنا چاہیے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ الفتوۃ کا جوہر شکر، صبر، ایثار اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔ اللہ کے قریب ہونے کا حقیقی راستہ مخلوق کی خدمت سے ہو کر گزرتا ہے۔ آج کا معاشرہ ان لوگوں کو سراہتا ہے جو صرف اپنی ترقی و شہرت کے پیچھے ہیں، جبکہ اسلام ہمیں ایثار، بھائی چارہ اور عاجزی کی تعلیم دیتا ہے۔ الفتوۃ کا اعلیٰ روحانی درجہ وہ ہے جہاں انسان سمندر جیسا ہو جائے یعنی گہرا، پر سکون اور بے پناہ وسعت لیے ہوئے۔ سچے مؤمن وہ ہیں جو خوشحالی اور تنگی دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں، غصے کو ضبط کرتے ہیں اور ہر حال میں حسنِ سلوک کرتے ہیں۔ سچا جوانمرد اپنے اعمال پر فخر نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ عاجزی و انکساری اختیار کرتا ہے۔

''الہدایہ'' کیمپ کے دوسرے دن یونیورسٹی آف وارو ک میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے Analytical Study of the Western Critical Method ''مغربی تنقیدی طریقہ کار کا تجزیاتی مطالعہ'' کے موضوع پر نہایت مدلل اور فکر انگیز کلیدی خطاب کیا۔ یہ خطاب گذشتہ لیکچر کا تسلسل تھا، اس خطاب میں آپ نے اسلام اور بالخصوص احادیث کے مآخذ کو مشکوک بنانے اور ان کی ساکھ کو مجروح کرنے میں مغربی تاریخی تنقیدی طریقہ کار کے کردار کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔

شیخ الاسلام نے سامعین کے سامنے اس طریقہ کار کی فکری بنیادوں اور نوآبادیاتی مقاصد کو بے نقاب کیا۔ شیخ الاسلام نے واضح کیا کہ یہ طریقہ 17 ویں اور 18 ویں صدی کی یورپی روشن خیالی (Enlightenment) کے دور میں بائبل پر تنقید کے لیے بنایا گیا تھا، مگر بعد ازاں اسے اسلام کے متون پر بھی لاگو کیا گیا، باوجود اس کے کہ مستشرقین کو اسلامی علوم کی گہرائی کا فہم نہ تھا اور نہ ہی اخلاص۔ یہ طریقہ کبھی علمی طور پر غیر جانب دار نہیں رہا۔ اس کا مقصد نبوت کی عظمت کو کم کرنا، اسلامی قانون کی حرمت کو مشکوک بنانا اور اسلامی متون کو بائبل کی طرح تاریخی طور پر غیر معتبر قرار دینا تھا۔ اس کام کو سرانجام دینے والے مشہور مستشرقین جنہوں نے اسلام کی علمی روایت کو مسخ کیا، ان میں اگناز گولڈزیہر (Ignaz Goldziher)، اس نے پورے ذخیرہ حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا؛ جوزف شاخت (Joseph Schacht)، اس نے دعویٰ کیا کہ اسلامی قانون قبل از اسلام قبائلی روایات سے لیا گیا، الوئیس اسپرانگر (Aloys Sprenger)، اس نے ''سیرت محمد ﷺ'' کے نام پر من گھڑت روایات کو تاریخی سچ کے طور پر پیش کیا۔ دیگر متعصب مصنفین جیسے ایڈورڈ سیل، ولیم میور اور گوستاوویل کے کام بھی جھوٹ، غلط ترجمہ اور نظریاتی تعصب کا مجموعہ ہیں۔

شیخ الاسلام نے بیان کیا کہ ان مستشرقین نے اسلامی اصولِ حدیث علم الرجال، الجرح والتعدیل اور مصطلحات الحدیث کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔ انھوں نے اس تاریخ علم الحدیث سے جان بوجھ کر اعراض برتا کہ اہلِ اسلام نے عہدِ نبوی ہی سے حدیث و سنت کو محفوظ کیا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے طور پر کئی احادیث کو اپنے پاس جمع کر رکھا تھا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے ان علوم کو باقاعدہ مدون کیا۔ اسلامی علمی روایت وحی، سنت اور سند پر مبنی ہے، نہ کہ سیکولر یا مغربی نظریات پر۔ قرآن خود نبی ﷺ کو اس فرمان الٰہی کے ذریعے وحی کی تشریح کے لیے مقرر کرتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل، ۱۶: ۴۴)

” اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“

لہٰذا سنت نہ صرف بنیادی ماخذ ہے بلکہ قرآن کی عملی تفسیر بھی ہے۔ مغربی تنقیدی طریقہ محض علمی نہیں بلکہ فکری استعمار (intellectual colonisation) کا ایک ہتھیار ہے۔ اس کا مقصد اسلامی علم کو مسخ کرنا تھا، نہ کہ سچ کی تلاش۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کو مستند اسلامی علوم کے زاویے سے سمجھیں، مغربی نظریات سے نہیں۔ حدیث و سنت؛ قرآن مجید کی تشریح، عملی صورت اور اسلام کا بنیادی ماخذ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعت لازم ہے۔ جب تک نبی کریم ﷺ کی اتباع نہ ہو، صرف اللہ کو ماننا کافی نہیں یہی اسلامی عقیدہ ہے جو مغربی طریقہ کار کی خرابیوں کا رد کرتا ہے۔

تربیتی کیمپ کا تیسرا دن (4 اگست 2025ء)

4 اگست 2025ء ”الہدایہ“ کیمپ کے آخری دن کا آغاز حسبِ معمول تلاوت، قرآن مجید، نعت رسول مقبول ﷺ اور صوفیانہ و عارفانہ کلام سے ہوا۔ بعد ازاں پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل) نے تجدید و احیاء دین کے موضوع پر علمی و فکری خطاب فرمایا۔

خطاب پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے Who is Shaykh-ul-Islam? کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو امت میں ظاہر کرتا ہے جو

صداقت، تقویٰ اور سنت کی حفاظت کے علمبر دار ہوتے ہیں۔ ہر صدی میں اللہ تعالیٰ ایک مجدد بھیجتا ہے جو امت کو رہنمائی، توازن اور دین کی اصل روح سے جوڑتا ہے۔ انھوں نے واضح کیا کہ اللہ رب العزت ہمیں صادقین (سچے لوگوں)، جو اللہ کے چنے ہوئے اور پاک کیے ہوئے ہیں، ان کو پہچاننے کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے کہ یہی لوگ قرآن و سنت کے محافظ اور نبوی ورثہ کے علمبر دار ہیں۔ ان کی صحبت سے اللہ کی یاد آتی ہے، ان کے چہرے اللہ کی یاد دلاتے ہیں اور ان کی موجودگی نبی ﷺ کی محبت کو دوبارہ زندہ کرتی ہے۔ یہ لوگ اس وقت دین کو زندہ کرنے والے ہوتے ہیں جب قرآن و سنت کو بھلایا جارہا ہو۔ ہر صدی میں، اللہ تعالیٰ امت کو توازن اعتدال پر قائم رکھنے کے حوالے سے رہنمائی کے لیے کسی کو بھیجتا ہے۔ ہمارے دور میں یہ ذمہ داری شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو نصیب ہے۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے شیخ الاسلام کے علمی، فکری اور روحانی سلسلہ کو بیان کیا کہ شیخ الاسلام نہ صرف روایتی اسلامی علوم بلکہ جدید علوم اور معرفت و روحانیت کے عظیم سرچشموں سے سیراب ہیں۔ شیخ الاسلام کو عالمی سطح پر ایسی ہمہ جہتی کامیابیاں اور انفرادیت حاصل ہے کہ عرب و عجم کی دنیا کے علماء شیخ الاسلام کا نہ احترام کرتے ہیں بلکہ ان کی کتب اور خطابات سے بھی مستفید ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام کی تعلیمات امام ابو حنیفہ کی گہرائی، امام غزالی کی روحانی بصیرت اور ماضی کے عظیم ائمہ کے وژن کی عکاسی کرتی ہیں۔ شیخ الاسلام آج نبوی حکمت کے وارث، اس صدی کے مجدد، اور ہماری نسل کے لیے اللہ کا ایک تحفہ ہیں۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کے ذریعے انہوں نے نہ صرف علم کو دوبارہ زندہ کیا ہے بلکہ ایک ایسی تحریک بھی بنائی ہے جو علم، روحانیت اور اصلاح کو یکجا کرتی ہے اور 90 سے زائد ممالک میں انسانیت کی خدمت کر رہی ہے۔

خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

4 اگست 2025ء "الہدایہ" کے تیسرے اور آخری دن کی اختتامی نشست میں، شیخ الاسلام

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے The IslamicEpistemology of Hadith Verification ''احادیث کی اسلامی تصدیقی معرفت'' کے موضوع پر نہایت اہم اور جامع کلیدی خطاب فرمایا۔ یہ خطاب احادیث و سنت کی صداقت، مغربی تنقیدی طریقہ کار کا تجزیہ اور اسلامی علمی روایت کے تناظر میں تصدیقِ حدیث کے اصولوں پر مشتمل تین حصوں پر مبنی سلسلے کا اختتامیہ تھا۔ شیخ الاسلام نے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے Epistemology (معرفتِ علم) کا مفہوم واضح کیا کہ اسلام میں علم کا ماخذ انسانی قیاس یا تجربہ نہیں۔ اسلامی اور مغربی تصدیقی طریقہ کار میں فرق ہے۔ اسلامی طریقہ شک کی بنیاد پر نہیں بلکہ محبت، یقین اور مسلسل روایت پر مبنی ہے جبکہ مغربی طریقہ شک اور الحاد پر مبنی ہے جو وحی کی حیثیت کو چیلنج کرتا ہے۔

شیخ الاسلام نے مزید واضح کیا کہ حدیث اور سنت الگ الگ تصورات نہیں ہیں۔ سنت مستند احادیث کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے، جو اسناد کے قابلِ اعتماد سلسلوں کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ اسلامی تاریخ میں علماء، بشمول سنن ابی داؤد، سنن الترمذی، اور سنن النسائی جیسی بڑی تالیفات کے مصنفین، نے حدیث اور سنت کو مترادف سمجھا۔ شیخ الاسلام نے جدید دعووں کو سختی سے رد کیا جو ان دونوں کو الگ کرنے یا سنت کی تصدیق کرتے ہوئے حدیث کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے خیالات اکثر الجھن، جہالت، یا گمراہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے عام غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ حدیث کو حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے صدیوں بعد مرتب نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ کی اپنی زندگی میں ہی اسے محفوظ کر لیا گیا تھا۔

الہدایہ کیمپ کی اس آخری نشست میں شیخ الاسلام نے سامعین کو نصیحت کی کہ وہ سچے داعی بنیں۔ دین کا صحیح فہم حاصل کریں، سنت سے تعلق کو مضبوط کریں اور اپنے خاندان، رشتہ داروں اور معاشرے کو اس علم سے فیض یاب کریں تاکہ آخرت میں نجات ممکن ہو سکے۔ غیر فعال مومن نہ بنیں بلکہ اسلام اور اس کی مستند تعلیمات کی طرف بلانے والے فعال داعی بنیں۔

اس تاریخی خطاب کے ساتھ الہدایہ 2025ء کا اختتام ہوا۔ اس تین روزہ علمی و روحانی تربیتی کیمپ نے شرکاء کو دین کے فہم، حدیث کی قدر اور اسلامی تشخص پر فخر کے ساتھ دنیا کا سامنا کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔ شرکاء کو اعتقاد کی وضاحت، حدیث و سنت نبوی پر اعتماد اور حقیقی اسلامی تعلیمات کے مشعل بردار بننے کے اجتماعی عزم سے نوازا۔ یہ تین روزہ کیمپ نوجوانوں کے لیے ایک روشن چراغ ثابت ہوا، جس نے ان کے ایمان کو زندہ کیا، ذہنوں کو تقویت دی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عظیم میراث سے دوبارہ جوڑا۔ اس علمی و فکری اور روحانی کیمپ نے نئی نسل کو جدید چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے علم، ایمان اور خود اعتمادی سے لیس کیا۔

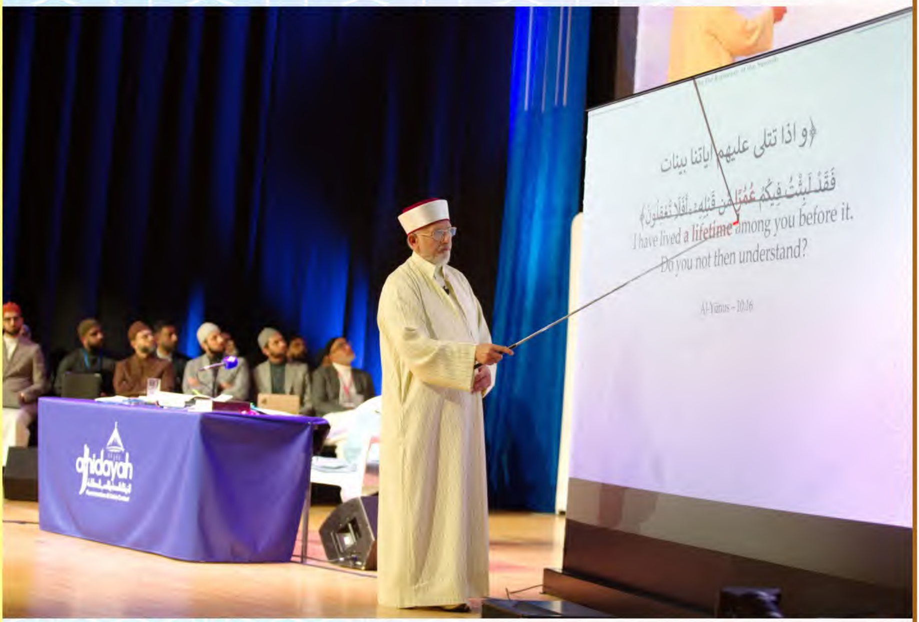
﴿و اذا تتلى عليهم اياتنا بينات
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِۦٓ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾
I have lived a lifetime among you before it.
Do you not then understand?
Al-Yūnus – 10:16

Mercedes-Benz
Macclesfield

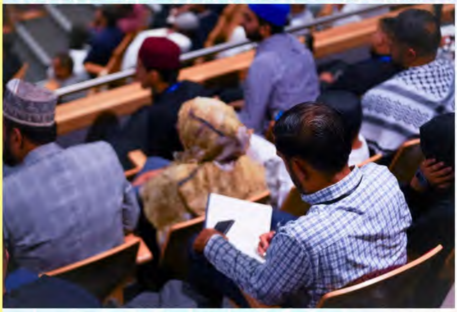

منہاج القرآن انٹرنیشنل (برطانیہ) کا سالانہ تین روزہ تربیتی کیمپ : الہدایہ 2025ء

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
SEP-2025
Regd CPL No.41

Minhaj University Lahore

Raasta Taqdeer bananay ka

ADMISSIONS FALL '25

ADP

- Information System &Technology Management
- Accounting and Finance
- Artificial intelligence
- Arts
- Bioinformatics
- Business Administration
- Commerce
- Computer Science
- Cyber Security
- Data Science
- Digital Marketing
- English
- Information Technology
- Political science

BS PROGRAMS

- B. Com
- B.Sc Chemical Engineering
- B.Sc Electrical Engineering
- Financial Technology
- BBA
- Accounting and Finance
- Artificial Intelligence
- Biology
- Business Analytics
- Chemistry & Industrial Entrepreneurship
- Computational Plant Sciences
- Computer Science
- Cyber Security
- Data Science
- Defence and Strategic Studies
- Digital marketing
- Ecommerce
- Economics & Data Science
- Economics & Financial Technology
- Electronics and Computing
- English
- Environmental Science
- Information System & Technology Management
- Information Technology
- Islamic Banking & Financial Technology
- Mathematics & Data Science
- Governance and Public Policy
- Political Science & Economics
- Political Science & History
- Statistics & Data Science
- LLB

MS/MPHIL PROGRAMS

- Accounting and Finance
- Applied Psychology
- Botany
- Chemistry
- Computer Science
- Economics
- English (Applied Linguistics)
- English (Literature)
- History
- Management Science
- Mathematics
- Pakistan Studies
- Physics
- Political Science
- Statistics
- Urdu
- MBA (Professional) 2 Year
- MBA Executive
- MS Data Science
- Halal Food and Safety Management

PhD PROGRAMS

- Mangement Sciences
- Economics
- English (Linguistics)
- Urdu
- Mathematics
- Political Science

Apply Now

admission.mul.edu.pk | 03 111 222 685 | 042 35145621 Ext: 320, 321

Minhaj University Lahore, Madar-e-Millat Road, Near Hamdard Chowk, Township, Lahore.